اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۶ | صفر المظفر ۱۴۴۷ھ | اگست ۲۰۲۵ء | شمارہ ۸

الصالحون

(صالح بننے کا طریقہ) (قسط اول)

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ = /۷۵ روپے | زرِ سالانہ = /۹۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۱۳/۲۰ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور
35422213
35433049
پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

الصالحون

(صالح بننے کا طریقہ)(قسط اول)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے مواعظ کی طباعت کا جو سلسلہ ادارہ اشرف التحقیق نے شروع کیا ہوا ہے۔ یہ اسی سلسلہ کا وعظ الصالحون ہے حضرت نے یہ وعظ جامع مسجد خورجہ ضلع بلند شہر جمعہ کے دن ۱۱۔ذیقعدہ ۱۳۴۰ھ بمطابق ۷۔ جولائی ۱۹۲۳ء کو منبر پر تشریف فرما ہو کر تین گھنٹے تک بیان فرمایا جس کو حکیم مصطفی بجنوری صاحب نے نقل فرمایا سامعین کی تعداد تقریبا ایک ہزار تھی بعض اعمال کی فضیلت بیان کرنے کے ساتھ نیک صالح بننے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے تفصیل سے بیان کیا اس سے قبل شب پنچشنبہ میں عورتوں کی اصلاح کے متعلق وعظ آیت فالصّٰلحٰت قٰنتٰت الخ پر بیان کیا تھا جس کا نام الصالحات رکھا تھا مذکورہ وعظ مردوں کی اصلاح کے لیے آیۃ اولٓئک من الصالحین پر ہے اس مناسبت سے اس کا نام حضرت نے الصالحون رکھ دیا ۱۰۶ سال بعد حواشی کے اضافہ کے ساتھ ادارے سے طبع ہو رہا ہے طوالت کے پیش نظر دو تین قسطوں میں طبع کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ قارئین کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

نوٹ: وعظ طوالت کے پیش نظر تین قسطوں میں طبع کیا جائے گا۔ان شاء اللہ العزیز

خلیل احمد تھانوی

۱۵ ذیقعدہ ۱۴۴۶ / ۱۳ مئی ۲۰۲۵ء

فہرست

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
مکالمہ........	۷	خطبۂ ماثورہ........	۱۷
مضمون وعظ کے متعلق مشورہ.......	۷	حالت درست وہی ہے جو عنداللہ درست ہو	۱۷
واعظ کا مقام........	۸	صلاح وحی پر موقوف ہے........	۱۷
مخلصانہ مشورہ........	۸	نیکی کو نفع رسانی مخلوق میں منحصر سمجھا....	۱۷
مشورہ کی حقیقت........	۹	احکام شرعی میں مصالح بیان کرنے کی حقیقت	۱۸
مشورہ نہیں درخواست ہے.........	۱۰	بعض امور شرعی کا حسن مدرک بالعقل ہے	۱۸
مشورہ کے مطابق عمل ضروری نہیں..	۱۰	دین میں صرف توحید ورسالت مدرک بالعقل ہیں	۱۹
درخواست کی وجہ........	۱۱	اس کے معنی کہ دین عقل کے موافق ہے.	۱۹
حضرت کا جواب........	۱۱	وحی اور عقل کا فرق........	۱۹
معذرت........	۱۱	عقل کی حیرانی........	۲۰
حضرت کا دوٹوک جواب........	۱۲	وحی کا درجہ........	۲۱
بیان کرنے کی درخواست........	۱۲	احکام شرعیہ میں اختلاف کی وجہ.......	۲۲
بیان میں حضرت کا معمول........	۱۲	علماء ظاہر اور باطن کے معالجہ میں فرق..	۲۲
اختلاف حال سے اختلاف حکم......	۱۲	تکبر کا علاج........	۲۴
سائل کی درخواست........	۱۴	شریعت اور وحی ایک ہونے کے باوجود اختلاف سالک کی وجہ........	۲۵
وعظ کی غرض........	۱۴	احکام الٰہی میں رائے کو دخل نہیں.......	۲۵
مکرر درخواست........	۱۴	مجسمہ کی گمراہی کا سبب........	۲۶
حضرت کا جواب........	۱۴	نصوص کی خاصیت........	۲۶
مقرر صاحب کا اطمینان دلانا.......	۱۵	حضرت تھانویؒ کا جواب لاجواب.....	۲۷
حضرت کا منصفانہ جواب........	۱۵	ترک تعلقات کا فائدہ........	۲۸
چند دیگر سوالات وجوابات........	۱۵	دیہاتی کی حکایت........	۲۸

یہ اعرابی پکا مسلمان ہے ۲۹
حقیقت شناس صوفیہ ہی ہیں ۳۰
ایک لونڈی کا قصہ کہ اللہ اوپر ہے ۳۰
کفن چور کا قصہ متعلق خوف ۳۰
اشکال ۳۱
جواب اشکال ۳۲
فرقہ مجسمہ کے باطل نظریات ۳۲
قصۂ شبان کی تحقیق ۳۳
لطیفہ ۳۴
جو چیز ایک کے لیے کمال ہو ضروری نہیں کہ دوسرے کے لیے کمال ہو ۳۴
قرآن کی مثال ۳۵
اہل باطل واہلِ حق کا فرق ۳۶
باطل اور حق کے پہچاننے کا سہل طریقہ .. ۳۶
حدیث موقوف ۳۸
تقلید صحابی کی واجب ہے ۳۸
مزاج شناسی ۳۹
معیار حق و باطل ۴۰
فقہی قیاس اور رائے میں فرق ۴۰
قیاس کا درجہ ۴۱
فقہ پر اعتراض ۴۲
تقلید آئمہ کی حقیقت ۴۲
آئمہ اربعہ کی تقلید کی وجہ ۴۳
ائمہ مجتہدین پر اجتہاد ختم ہونے کی دلیل ۴۳
فقہ پر اعتبار نہ کرنے کا انجام ۴۴
ایک تعلیم یافتہ کی غلطی ۴۴
قرآن کا ترجمہ دیکھنا بعضوں کو حرام ہے ۴۵
کوئی کتاب بلا استاد کے نہیں آتی ۴۶
خود سے ترجمہ قرآن پڑھنے کا نقصان .. ۴۶
شبہ کا جواب ۴۷
جاہلانہ اعتراض ۴۸
رویت ہلال میں تار کی خبر معتبر نہ ہونے کی وجہ ۴۸
اخبار الجامعہ ۵۰

مکالمہ

حضرت والا وعظ کیلئے منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حسب عادت وعظ سے پہلے دعا مانگی دعا ختم ہی کی تھی کہ مجمع میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے جو وضع قطع سے تعلیم یافتہ معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے کہا میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اکثر لوگ حضرت والا کی آزادی طبع سے واقف تھے معمولاً یہ خیال ہوا کہ حضرت کو یہ حرکت ناگوار ہوگی اور عجب نہیں کہ وعظ کو ملتوی فرماویں اس واسطے چاروں طرف سے یہ آواز آئی کہ بیٹھ جاؤ بیٹھ جاؤ کوئی ضرورت عرض معروض کی نہیں ہے مگر حضرت والا نے سب کو ساکت ① فرمایا اور ارشاد ہوا کہ سن لو کیا کہتے ہیں ممکن ہے کوئی کام کی بات ہو۔ سب لوگ ساکت ہو گئے اور انہوں نے تقریر شروع کی اثناء ② تقریر میں پھر کئی بار غل ③ مچا کہ بیٹھ جاؤ لیکن حضرت والا نے فرمایا یہ صاحب مجھے خطاب کر رہے ہیں میں ان کی بات کا جواب دونگا آپ لوگوں کو اضطراب ④ کیوں ہے جو کچھ یہ فرمانا چاہتے ہیں ان کو فرمالینے دیجئے۔ غرض اُنہوں نے تقریر شروع کی اور پانچ منٹ میں اس کو ختم کیا حضرت والا نے اُسکا جواب دیا انہوں نے پھر کچھ کہا حضرت والا نے پھر اس کا جواب دیا یہ مکالمہ بارہ منٹ تک رہا چونکہ اس میں بہت سے مضامین نہایت مفید ہیں اسلئے انہیں ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

مضمون وعظ کے متعلق مشورہ

مقرر صاحب اسلامی ممالک پر جو طوفان آفات کا آجکل آرہا ہے اور جس دشوار گزار راستوں سے اسلام گذر رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں اس سے مسلمانان دنیا بے چین ہیں اور چھوٹے سے لیکر بڑے تک تا مقدور ⑤ جدوجہد میں مشغول ہیں اسی بناء پر تمام ہندوستان میں خلافت کمیٹیاں قائم کی گئیں ہیں کفار نے جو حق تلفیاں مسلمانوں کی کیں اور جو ناجائز مظالم کئے کوئی مسلمان ان کو سن کر خاموش نہیں رہ سکتا (اس کے بعد چند مظالم تفصیل کیساتھ بیان کئے) ہم چاہتے ہیں کہ آج کسی کے متعلق آپ بیان فرمادیں۔

① خاموش کرادیا ② دوران تقریر ③ شور ہوا ④ پریشانی کیوں ہے ⑤ اپنی طاقت کے بقدر۔

واعظ کا مقام

حضرت والا۔ اب میں کچھ عرض کروں مگر میں امید کرتا ہوں کہ آپ میری تقریر کو اسی طرح ٹھنڈے دل سے سنیں گے میں نے آپکی تقریر کو سنا آپ نے جو کچھ مشورہ دیا یا فرمایش کی اس کو میں محض خیر خواہی پر محمول کرتا ہوں لیکن اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ وعظ ایک معالجہ روحانی ① ہے جیسا کہ دوا کرنا معالجہ جسمانی ② ہے علاج کا قاعدہ یہ ہے کہ جس کے سپرد کیا جائے سپرد کرنے سے پہلے تحقیق کر لینا چاہئے کہ یہ شخص جس کے سپرد علاج کیا جاتا ہے اس کا اہل ہے یا نہیں اگر اہل نہیں ہے تو اُسکے سپرد کرنا ہی غلطی ہے ایسا شخص نہایت خطرناک ہے ایسے شخص کے علاج میں خطرہ جان کا ہے اور علاج روحانی میں خطرہ ایمان کا ہے۔ اور اگر اہل ہے تو اس کو معالجہ میں رائے دینا، میں نہیں کہہ سکتا کہ کہاں تک ٹھیک ہے کیونکہ اگر اس کو رائے دینے کی ضرورت ہے اور آپ رائے دے سکتے ہیں تو آپ خود طبیب ہیں آپ خود ہی علاج کر لیجئے اس کے پاس جانے اور تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر مجھ سے بیان کرانا ہے تو پہلے اطمینان کر لیجئے کہ میں اس کا اہل ہوں یا نہیں اگر نہیں ہوں تو بیان نہ کرایئے اور اگر اطمینان ہے کہ میں اہل ہوں تو مشورہ دینے کی ضرورت نہیں۔ یہ خطاب صرف آپ ہی کو نہیں ہے بلکہ سارے مجمع کو ہے سب کو حق ہے رائے دینے کا اور میں سب سے جواب چاہتا ہوں۔

مخلصانہ مشورہ

مقرر صاحب یہ جناب کا فرمانا بالکل صحیح ہے۔ہم کو جناب پر پورا اطمینان ہے جو کچھ عرض کیا گیا۔ وہ نہ اس غرض سے ہے کہ جناب پر اطمینان نہیں بلکہ محض اس وجہ سے ہے کہ ایک بات جو اپنے نزدیک مناسب اور ضروری معلوم ہوئی اس کو جناب کے کان میں ڈال دیا جیسے بعض وقت مریض طبیب سے کہتا ہے کہ مجھے یہ یہ شکائتیں ہیں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بلا مسہل ③ کے اس کی ازالہ نہ ہوگا اگر آپ کے نزدیک کوئی جرح نہ ہو تو مسہل دیدیجئے۔ میری التجا جناب کو ناگوار نہ ہونی چاہئے بعض وقت طبیب کا ذہن ایک

---

① روحانی علاج ② جسمانی علاج ③ دست آور دوا دیئے بغیر اس مرض کا ٹھیک ہونا ممکن نہیں۔

بات کی طرف نہیں جا تا مریض کے عرض کرنے سے پہنچ جا تا ہے اس وقت اس مضمون سے زیادہ ضروری کوئی دوسرا مضمون نہیں معلوم ہوتا اس وجہ سے جناب سے التجا کی گئی۔

مشورہ کی حقیقت

حضرت والا۔ زیادہ تہذیب کے الفاظ کو چھوڑ دیجئے زیادہ تہذیب کی حقیقت تصنع ① ہے۔ معاملہ کی بات ہے کہ میرا پیشہ وعظ گوئی نہیں ہے نہ مجھے وعظ کہنے کی خواہش نہ ضرورت محض آپ لوگوں کی رغبت دیکھ کر بیان کے لئے تیار ہو گیا ہوں۔ دو حال سے خالی نہیں آپ نے جو رائے دی یہ امر ہے یا مشورہ اگر امر ہے تو آپ میرے کوئی حاکم نہیں اس واسطے یہ آپ کا فرمانا میرے لئے واجب العمل نہیں اور اگر مشورہ ہے تو آپکا شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ آپ نے جس بات کو مفید سمجھا پیش کر دیا اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ لیکن اس کا یہ اثر نہیں ہوسکتا کہ میں اس کے ماننے پر مجبور ہوں ممکن ہے کہ میرے نزدیک مفید نہ ہو۔ میں نے سن لیا اور اس سے برا بھی نہیں مانا اب مجھے اختیار ہے کہ اس پر عمل کروں یا نہ کروں آپ کو حق تھا کہ جس بات کو آپ نے مفید سمجھا پیش کر دیا جیسے آپ کی مثال میں ہے کہ مریض نے رائے دی کہ میرے لئے مسہل ② کی ضرورت معلوم ہوتی ہے اس واسطے یہ رائے دینا درست ہے کہ شاید طبیب کا ذہن اس طرف نہ گیا ہو تو اس کہنے سے پہنچ جائے لیکن اپنی رائے ظاہر کر دینے کے بعد مریض کو اصرار کا حق نہیں ہے۔ یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ کو یہی کرنا ہوگا ورنہ آپ غلطی کرینگے جو مریض اپنی رائے رکھتا ہو اسے طبیب کے پاس نہیں جانا چاہیے وہ تو خود طبیب ہے سب جانتے ہیں کہ مریض طبیب میں اسطرح معاملہ نہیں ہوتا حتی کہ اگر کوئی طبیب ایسا ہو کہ مریض کے کہنے پر چلتا ہو تو عقلاً اس کو بے وقوف کہیں گے اب میں سب سے اور خصوصاً آپ سے عرض کرتا ہوں آپ کی رائے سننے کے بعد مجھے کیا کرنا چاہئے آیا اس رائے کا ماننا میرے لئے ضروری ہے اور آپ ہی کی رائے پر مجھ کو چلنا چاہئے یا اپنے نسخہ پر، اب آپ آخری بات فرما دیجئے کہ میں بیان کروں یا نہیں؟۔

---

① بناوٹ ② دست آور دوا

مشورہ نہیں درخواست ہے

مقرر صاحب۔ ہم آپ پر حاکم کیا ہوتے ہم تو مشورہ دینے کے قابل بھی نہیں ہمارا عرض کرنا تو ایک التجا ہے اور ہم اس پر بوجہ اس درد کے جو اس وقت ہر مسلمان کے دل میں ہے مجبور ہیں۔

مشورہ کے مطابق عمل ضروری نہیں

حضرت والا۔ آپ نے رائے ظاہر فرمائی وہ سراسر درد پر مبنی سہی لیکن ان دو باتوں میں کسی میں تو داخل ہوہی گی یا امر کے درجہ میں ہوگی یا مشورہ کے۔ وہ جس درجہ میں اس پر اسی کا حکم مترتب ہوگا امر کے حقوق اور ہیں اور مشورہ کے اور میں عرض کر چکا ہوں کہ امر کے درجہ میں تو ہو نہیں سکتی کیونکہ آپ آمر اور میں مامور ① نہیں لامحالہ مشورہ کے درجہ میں ہوگی اور مشورہ کا حق یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا واجب نہیں ہوتا۔ اب میں اس پر استدلال کرتا ہوں حدیث بریرہؓ سے اُسکا مضمون یہ ہے کہ بریرہ لونڈی تھیں حضرت عائشہؓ کی اور ان کا نکاح ہوا تھا ایک شخص مغیث نام سے۔ حضرت عائشہؓ نے ان کو آزاد کردیا اور یہ شرعی مسئلہ ہے کہ لونڈی کو آزاد ہونے کے بعد خیار عتق ② ہوتا ہے یعنی اختیار ہوتا ہے کہ اپنے نکاح کو باقی رکھے یا نہ رکھے۔ بریرہ نے نکاح کو باقی نہ رکھا۔ مغیثؓ کو ان سے بڑی محبت تھی وہ بہت پریشان ہوئے اور بڑی کوشش کی کہ وہ نکاح کو باقی رکھیں بریرہ نے نہیں مانا۔ مغیث گلیوں میں ان کے پیچھے روتے پھرتے تھے لیکن ان پر کچھ اثر نہ ہوا مغیث کی حالت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحم آیا اور بریرہ سے فرمایا کہ مغیث سے نکاح کرلو۔ اب سنئے بریرہ کیا کہتی ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا آپ مجھ کو یہ حکم دیتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ سفارش کرتا ہوں۔ بریرہ صاف کہتی ہیں کہ مجھ کو ضرورت نہیں یعنی جب یہ حکم نہیں سفارش ہی مشورہ ہے تو میں نہیں قبول کرتی (كذا في جمع الفوائد باب طلاق المكره والمجنون عن البخاري واصحاب السنن **اس کو**

---

① آپ حاکم میں محکوم نہیں ② آزادی کی بنا پر اس کو یہ اختیار مل جاتا ہے کہ آقا کے کئے ہوئے نکاح کو باقی رکھے یا ختم کردے۔

کہتے ہیں بے تکلفی اور صفائی اور یہ ہے معاشرت اب یہ باتیں مسلمانوں میں مفقود ہوگئیں)
اس جواب پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نکیر نہیں فرمایا چنانچہ مغیثؓ ناامید ہوگئے ادر بات ختم ہوگئی۔
میں نہیں سمجھتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے زیادہ کوئی حق رکھتا ہو کہ اس کا مشورہ واجب العمل ہو۔ یہ
مشورہ کا حق ہے جس کو میں نے حدیث سے ثابت کر دیا۔ اب میں مکرر عرض کرتا ہوں کہ میں
اس مشورہ کے قبول پر مجبور نہیں ہوں گا۔ اگر مجھ سے بیان کرانا ہے تو مجھے وہی حق حاصل ہوگا
جو طبیب کو مریض کے بارے میں ہوتا ہے کہ اپنی تشخیص و تجویز پر عمل کرتا ہے نہ مریض کے
کہنے پر۔ ہاں مریض کو اتنی اجازت ہے کہ اپنی رائے ظاہر کر دے کہ مسہل دیا جائے تو
مناسب معلوم ہوتا ہے لیکن اس پر اصرار نہیں کر سکتا نہ طبیب کو مجبور کر سکتا ہے ورنہ وہ سیدھا
جواب دے دیگا کہ خود علاج کر لو یا کسی ایسے طبیب کے پاس جاؤ جو تمہارا تابع ہو۔ اور ظاہر
ہے کہ ایسا شخص طبیب ہی نہیں جو مریض کے تابع ہو اب میں جواب کا منتظر ہوں۔

درخواست کی وجہ

مقرر صاحب۔ جناب کو یہ خیال ہوا کہ میں آپکا مخالف ہوں اور وعظ میں خلل
ڈالنا چاہتا ہوں حاشا وکلا میں مخالف نہیں ہوں اس کا میں پورا اطمینان دلاتا ہوں میرے
سوال کی وجہ وہ جوش ہے جو میرے دل میں اسلام اور اہل اسلام کی طرف سے بھرا ہوا
ہے جس سے آجکل کوئی بھی مسلمان خالی نہیں اور ہونا بھی نہ چاہیئے۔

حضرت کا جواب

حضرت والا۔ وعظ میں خلل ڈالنے کا لفظ تو فرمانے کی ضرورت نہیں۔ میں
پہلے عرض کر چکا ہوں کہ وعظ گوئی میرا پیشہ نہیں آپ یا اور کوئی صاحب جو کوئی بھی چاہے
شوق سے خلل ڈالے اور کسی ترکیب سے خلل ڈالنے کی ضرورت نہیں صرف زبان سے
فرما دیجئے کہ تو بیان مت کر اور سب فرمانے کی بھی ضرورت نہیں مجمع میں سے صرف دو ایک
حضرات فرما دیں میں اس کی موافقت فوراً کرونگا بلکہ خوش ہوں گا کہ میری محنت بچا دی۔

معذرت

مقرر صاحب۔ ہرگز نہیں ایسا نہیں ہو سکتا کہ وعظ کو بند کر دیا جائے کبھی نہ کبھی تو

قسمت سے موقع ملا ہے حق تعالیٰ آپ کے فیض کو جاری رکھے۔

حضرت کا دوٹوک جواب

حضرت والا۔ معاملہ کی بات ہے میں پہلے ہی سے صاف کہہ دینے کو پسند کرتا ہوں مجھے پالیسی نہیں آتی آخر میں بھی بچہ نہیں ہوں کچھ تجربہ رکھتا ہوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ مشورہ پر عمل نہ کرنے سے گو منہ پر کوئی کچھ نہ کہے لیکن بعد میں شکائتیں ہوتی ہیں اور لعن طعن بھی ہوتا ہے کوئی کہتا ہے یہ گورنمنٹ سے تنخواہ پاتے ہیں ان کو مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی نہیں۔ میرا یہ بارہا کا تجربہ ہے اسی واسطے میں پہلے ہی صاف کہے دیتا ہوں کہ میں کسی مشورہ پر عمل کرنے پر مجبور نہ ہوں گا۔

بیان کرنے کی درخواست

مقرر صاحب۔ جیسا مناسب ہو ہماری سمجھ میں جو آیا عرض کر دیا۔ اب آپ بیان فرما دیں۔

بیان میں حضرت کا معمول

حضرت والا۔ میرا کسی خاص حالت کی متعلق بیان کرنیکا خیال نہیں۔ میرا معمول یہ ہے میں ایسی حالت کے متعلق بیان کیا کرتا ہوں جو عام ہو اور سب میں مشترک ہو۔ خطاب خاص کسی شخص یا کسی جماعت کو نہیں کیا کرتا نہ کوئی مضمون قصداً اختیار کرتا ہوں نہ کسی مضمون کو قصداً ترک کرتا ہوں مجھے کسی سے ضد نہیں۔ اگر اس کے متعلق جس کی آپ نے فرمائش کی ہے کوئی مضمون ذہن میں آ گیا نفیاً یا اثباتاً ① اس کو چھوڑوں گا نہیں اور نہ آیا تو قصداً لاؤں گا بھی نہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ واقع میں اس کی ضرورت ہے یا نہیں میں اپنی حالت جانتا ہوں اور اس کے لحاظ سے کہتا ہوں کہ میرے لئے اس کے متعلق یہی معمول مناسب ہے جس پر میں کاربند ہوں۔

اختلاف حال سے اختلاف حکم

ہر شخص کی حالت جداگانہ ہوتی ہے اور اس کے لحاظ سے حکم ہوتا ہے دیکھئے

① اس کے موافق یا مخالف

ابو ذر غفاریؓ صحابی ہیں اور ایسے صحابی جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر خصوصیت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں انی احبك واحب لك ما احب لنفسی یعنی اے ابو ذر میں تم سے محبت کرتا ہوں اور تمہارے واسطے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے واسطے پسند کرتا ہوں یہ خصوصیت کا بیان ہے۔ پھر دیکھئے کہ اُن کے واسطے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مشورہ کیا دیتے ہیں فرماتے ہیں لاتین مال یلیم ولا تقتض بین اثنین یعنی تم دو کام مت کرنا ایک تو کسی یتیم کے مال کے متولی مت بننا اور ایک یہ کہ دو شخصوں میں کبھی فیصلہ نہ کرنا۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ دونوں کام فی نفسہٖ کیسے ہیں یتیم کی ہر خدمت کرنا کس قدر ثواب کا کام ہے۔ اور دو شخصوں میں فیصلہ کرنا کس قدر اچھا کام ہے لیکن ایک ایسے عارف باللہ صحابی کو جنکی خصوصیت خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایسی بیان فرمائی کہ اس سے زیادہ کیا خصوصیت ہوسکتی ہے اُن دو مذکورہ باتوں سے منع کیا جاتا ہے اور دوسرے بعضے صحابہ کیواسطے ایک یتیم کی تولیت اور قضا① بین اثنین کیا سلطنت کی اجازت دیجاتی ہے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اقالیم میں سلطنت کی۔ اس سے صاف یہ مسئلہ نکل آتا ہے کہ اختلاف حالات سے اختلاف حکم ہوسکتا ہے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ اگر ابو ذرؓ تولیت یتیم کی اور قضا بین اثنین کی فضیلت دیکھ کر ان کو اختیار کرتے تو اچھا کرتے یا برا؟ اور ابو بکرؓ اس ابو ذرؓ کی حدیث کو سن کر ایک طرف گوشہ میں بیٹھ جاتے اور سلطنت کو ہاتھ نہ لگاتے تو اچھا کرتے یا برا؟۔ جواب دونوں صورتوں میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ بُرا کرتے۔ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ اس وقت ایک کام کو اچھا سمجھ کر سب کو اُسی کی رائے دیجاتی ہے؟۔ کسی کو کیا خبر ہے کہ میری حالت ابو ذرؓ کی سی ہے یا ابو بکرؓ کی سی۔ اگر میری حالت ابو ذرؓ کی سی ہے اور کام اختیار کروں میں ابو بکرؓ کا سا، تو میں اچھا کرونگا یا بُرا اور مجھ سے حق تعالیٰ کے یہاں مواخذہ ہوگا یا نہیں؟۔

ایسے ہی اس کا عکس ہے بس مجھ کو اپنی حالت پر چھوڑ دیجئے۔ اپنی حالت جیسے مجھے معلوم ہے آپ کو نہیں معلوم ہوسکتی۔ میں صاف بات بتائے دیتا ہوں نہ میں پبلک کا طرفدار ہوں نہ گورنمنٹ کا نہ میں کہیں سے تنخواہ پاتا ہوں۔ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو معاملہ حق تعالیٰ کیساتھ ہے وہ خود سمجھ لیں گے کسی سے کیا مطلب۔ میرے لئے اپنی

① یتیم کی کفالت اور دو لوگوں میں صلح۔

حالت کو دیکھتے ہوئے یہی مناسب ہے کہ ان قصوں میں نہ پڑوں اپنی حالت کو میں ہی خوب جانتا ہوں۔ خدا جانے دوسرے مجھے کیوں مجبور کرنا چاہتے ہیں۔ اب میں جواب کا منتظر ہوں میں نے اپنا معمول بتا دیا میں کسی فرمائش کی تکمیل پر مجبور نہیں ہوسکتا اور نہ کسی سے ضد رکھتا ہوں۔ سو اگر فرمائش کے متعلق کوئی مضمون ذہن میں آ گیا تو ضرور بیان کرونگا خواہ نفی کا ہو یا اثبات کا اور اگر مضمون نہ آیا تو قصداً لانے کی کوشش بھی نہیں کرونگا۔

سائل کی درخواست

مقرر صاحب۔ آپ بیان شروع کریں۔

وعظ کی غرض

حضرت والا۔ بیان ہو یا نہ ہو دیکھنے کی بات یہ ہے کہ وعظ سے غرض کیا ہوتی ہے وعظ سے غرض مسلمانوں کی اصلاح ہوتی ہے اور اس صورت میں کہ بعض کی رائے کچھ ہے اور بعض کی کچھ تو ایسی حالت میں اصلاح کیا ہوسکتی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں فرقہ بندی ہو جاوے اور ہر جگہ تو تو میں میں ہو اگر پہلے کچھ اصلاح تھی بھی تو وہ بھی ندارد ہو جاوے فرقہ بندی کس قدر بُری چیز ہے اس میں تو نہ دین کا خیال رہتا ہے نہ دنیا کا۔ میں اس کو تمام خرابیوں کی جڑ سمجھتا ہوں بیان سے اسقدر نفع کی امید نہیں جتنا اس فرقہ بندی سے نقصان پہنچ جانیکا اندیشہ ہے۔ اگر مجھے اطمینان دلایا جاوے کہ دو فرقہ نہیں ہونگے تب تو میں وعظ کرونگا ورنہ کوئی ضرورت نہیں وعظ گوئی میرا پیشہ نہیں۔

مکرر درخواست

مقرر صاحب۔ ہم آپ کے خلاف نہیں وعظ شروع کیجئے۔

حضرت کا جواب

حضرت والا۔ میرے اختلاف سے بحث نہیں آپ لوگوں میں افتراق نہ ہو۔ میں تو سنتے سنتے بے حیا ہو گیا ہوں اور گالیاں تک کھانیکی عادت ہوگئی ہے۔ اختلاف کا اثر میرے اوپر کچھ نہیں ہوتا میں نے تو سوچ لیا ہے کہ اس میں بھی حق تعالیٰ کی رحمت ہے کیونکہ جب سے نوکری چھوڑی، دنیا میں بھی گزر اوقات دوسروں ہی کی کمائی سے ہے آپ لوگ کماتے ہیں اس

میں سے مجھے بھی کچھ دے دیتے ہیں۔ میرے ہاتھ میں تجارت زراعت وغیرہ کوئی ذریعہ معاش کا نہیں ہے حق تعالیٰ نے دیکھا کہ یہ احدی ہے آخرت کیلئے بھی دوسروں ہی کی کمائی میں میری بھلائی کی تدبیر کردی کیونکہ آخرت کے واسطے بھی میرے پاس کوئی سرمایہ نہیں ہے۔

مقرر صاحب کا اطمینان دلانا

مقرر صاحب۔ نہیں اطمینان رکھیے افتراق نہ ہوگا۔ بس آپ وعظ شروع کیجئے ہم لوگ بہت بے چین ہیں۔

حضرت کا منصفانہ جواب

حضرت والا نے دوبارہ دعا مانگی۔ اور شروع کرنے سے پہلے فرمایا کہ احتیاطاً اتنا اور عرض کئے دیتا ہوں کہ اگر ان مسائل کے متعلق یا میرے مسلک کے متعلق تردد ہو تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ دو چار منصف مزاج اور سمجھ دار آدمی میرے پاس تھانہ بھون چلے آئیں اور وہاں اطمینان سے گفتگو کرلیں جب تک بات طے نہ ہو میں حاضر ہوں خواہ ایک مہینہ کیوں نہ لگ جاوے اور یہاں مجھ کو مہمان بنا کر تو یہ قصے لیکر بیٹھانا مناسب نہیں۔ جن کے یہاں مقیم ہوں اُن کا تو مہمان ہوں ہی میں اپنے آپ کو سب مسلمانوں کا مہمان سمجھتا ہوں کیونکہ سب مسلمان ایک ہیں اور آجکل تو اتحاد کی لہر اس قدر دوڑ رہی ہے کہ اغیار بھی ایک ایسے بے غرض مہمان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں چاہتے۔

چند دیگر سوالات وجوابات

مقرر صاحب۔ سنا ہے کہ عام لوگوں کی رسائی آپ تک تھانہ بھون میں نہیں ہوتی پھر اس کی ہمت کیسے ہو۔

حضرت والا جس سے آپ نے یہ خبر سنی ہو اس سے پوچھئے کہ میرے یہاں کوئی چوکی پہرہ ہے باڑا ٹھاٹھ تو نہیں ہے۔ میں تو بوریے پر بیٹھنے والا معمولی آدمی ہوں میرے یہاں کسی کا گذر نہ ہونیکی کیا وجہ ہے اور زیادہ وہم ہے تو مجھ کو اس کام کے لیے یہیں بلا لیجئے میں اطمینان سے گفتگو کرونگا۔

مقرر صاحب۔ اور چند دیگر اشخاص اگر آپ کو بلایا جائیگا تو پھر آپ مہمان

ہونگے اس وقت بھی یہی کہا جا سکے گا کہ مہمان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں چاہئے۔

حضرت والا۔ ہاں مہمان تو ہوں گا لیکن اسی کام کے لئے تیار ہو کر آونگا آج کی حالت اور اُسوقت کی حالت میں فرق ہو گا۔ خیال کیجئے کہ ایک شخص سفر کرے تجارت کے لئے اور راستہ میں بیمار ہو جاوے تو اُس کو پریشانی ہوتی ہے اور ایک شخص خاص علاج ہی کی غرض سے سفر کرے تو اس کو پریشانی نہیں ہوتی وجہ یہی ہے کہ یہ شخص تیار ہی ہو کر علاج کے لئے چلا ہے۔ اس وقت تو میں آیا ہوں احباب سے ملنے کے لئے اور کام مجھ سے یہ لیا جاوے تو طبیعت پر گرانی ہوگی اور جبکہ اسی کام کے لئے آؤنگا تو گرانی کیوں ہوگی بلکہ اس وقت تو اس کام کے نہ لئے جانے سے گرانی ہوگی اور مہمان تحفہ بھی لایا کرتا ہے جب مجھے پہلے سے خبر ہوگی تو میں بھی آپ حضرات کے لئے تحفہ لاؤنگا۔

اس کے بعد وعظ شروع ہوا:۔

درمیان وعظ میں دور سے ایک اور شخص بھی کھڑا ہوا اور کوئی ایسی بے ڈھنگی بات کہی جو سارے مجمع کو ناگوار ہوئی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ میں ہر ہر شخص کا جواب کہاں تک دونگا اگر میرا بیان کرنا خلاف طبع ہے تو صاف الفاظ میں کہدو کہ مت بیان کر میں ابھی بند کئے دیتا ہوں۔ اس پر سارے مجمع نے اُس شخص پر بہت لعنت ملامت کی اور وعظ کو جاری رکھنے کے لئے اصرار کیا۔ پھر اُسکے بعد مسلسل بیان شروع ہوا[1]

[1] یہ زمانہ تحریک خلافت کا تھا جو مسلمان اس تحریک کا حصہ نہ بنتا اس کو انگریزوں کا پٹھو کہا جاتا تھا حضرت تھانویؒ کو چونکہ تحریک خلافت کے طریقہ کار سے اختلاف تھا اس لیے اس کی حمایت نہیں فرماتے تھے یہ صاحب غالباً تحریک خلافت کے حمایتی ہوں گے اس لیے یہ چاہتے تھے کہ اس کی حمایت میں تقریر ہو۔ یہ سارے سوال جواب بہت سے فوائد پر مشتمل ہیں اسی لیے ان کو وعظ کے مقدمہ کے طور پر ذکر کر دیا گیا ہے۔ ۱۲ خلیل

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

خطبۂ ماثورہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَ مَنْ يُضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَ نَشْهَدُ اَن لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلَّمْ اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِ وَيَأۡمُرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِ وَيُسَٰرِعُونَ فِي ٱلۡخَيۡرَٰتِۖ وَأُوْلَٰٓئِكَ مِنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ①

حالت درست وہی ہے جو عند اللہ درست ہو

اس آیت میں بعض اعمال کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اور آیت کے خاتمہ میں ان اعمال کو مدار صلاح قرار دیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ اگر صلاحیت اور درستی حال منظور ہو تو ان اعمال کو اختیار کرنا چاہئے اول سمجھنا چاہئے کہ درست اور اچھی حالت کونسی کہی جاسکتی ہے پس ظاہر ہے کہ حالت درست وہی ہے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک درست ہو اور اس کا علم خود خدائے تعالیٰ ہی کے بتانے سے ہوسکتا ہے جس کو وحی کہتے ہیں۔

صلاح وحی پر موقوف ہے

تو حاصل یہ ہوا کہ صلاح حال کا مدار وحی پر ہے۔ اب لوگ اس میں طرح طرح کی غلطی کرتے ہیں۔ کوئی صلاح کے معنی کچھ لیتا ہے۔ اور کوئی کچھ بہت سوں کا مذاق آجکل یہ ہے کہ صلاح کے معنی ہیں نیکی اور بھلائی کرنا۔ یعنی مخلوق کی نفع رسانی۔

نیکی کو نفع رسانی مخلوق میں منحصر سمجھا

انھوں نے دین کا خلاصہ یہ نکالا ہے۔ کہتے ہیں کہ دین خدا تعالیٰ کا قانون

① ''اللہ پر اور قیامت والے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام بتلاتے ہیں اور بُری باتوں سے روکتے ہیں اور نیک کاموں میں دوڑتے ہیں اور یہ لوگ شائستہ لوگوں میں ہیں'' آل عمران: ۱۱۴

ہے اور خدا رحیم و کریم ہے تمام مخلوق پر اور ہمارا نفع ہی چاہتا ہے۔ تو اس کے احکام وہی ہوں گے جس میں مخلوق کا نفع ہو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس بات میں نفع معلوم ہو مخلوق کا یہ لوگ اسی کو دین سمجھتے ہیں۔ پھر فہم مختلف ہیں اور ہر شخص کی طبیعت جدا گانہ ہے جس کی سمجھ میں جو طریقہ نیکی اور بھلائی کا آیا وہ اسی کو دین کہتا ہے خواہ وہ حق تعالیٰ کے حکم یعنی وحی کے موافق ہو یا مخالف حتی کہ جب وحی اپنے منصوبے کے خلاف معلوم ہوتی ہے تو اس میں تاویل و تحریف کر لینا ان کو آسان ہوتا ہے بہ نسبت اپنی رائے بدلنے کے۔ یہی اصل ہے اس کی کہ آجکل کے تعلیم یافتہ لوگ جب مذہب کی طرفداری کرنے کھڑے ہوتے ہیں تو احکام شرعی کی عقلی خوبیاں بیان کرتے ہیں۔ عام لوگ اس سے بڑے خوش ہوتے ہیں۔ اور ان کو بڑا دیندار اور ہمدرد اسلام سمجھتے ہیں۔

احکام شرعی میں مصالح بیان کرنے کی حقیقت

میں اس کی حقیقت بیان کرتا ہوں، جس سے سمجھ میں آجائیگا کہ اس میں کیا غلطی ہے سمجھ لیجئے کہ خدا تعالیٰ بشر ① نہیں ہے جس کو اپنے اوپر قیاس کر کے یوں کہا جا سکے کہ جو حالت ہمارے مذاق کے موافق اچھی ہے وہ حق تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور ان ہی مصالح پر دین الٰہی کی بنا کی ② جا سکے غرض یہ کہ کوئی ضروری بات نہیں کہ جو مصلحت ہم نے ضروری سمجھی ہو وہ حق تعالیٰ کے نزدیک بھی ضروری ہو ممکن ہے کہ کوئی مصلحت اور ضرورت ایسے ہو کہ اس تک ہمارا علم نہ پہنچا ہو۔ خود زمانہ موجود کے لحاظ سے بھی ہمارا علم کافی اور محیط نہیں اور آئندہ آنیوالے زمانہ کے بارہ میں تو سب جانتے ہیں کہ ہمارا علم معطل محض ہے (یہ میں ان کی تقریب فہم کیلئے کہتا ہوں ورنہ تحقیق تو یہی ہے کہ حق تعالیٰ کے احکام مصالح کے تابع نہیں حق تعالیٰ کو بلحاظ مالک اور خالق ہونے کے ہر قسم کے احکام صادر فرمانے کا اختیار ہے گو حکیم ہونے کے سبب کوئی حکم بلا مصلحت واقع نہیں ہوتا) حاصل یہ کہ احکام الٰہیہ ہماری عقل کے تابع ہو نہیں سکتے۔

یہ بھی مسلم ہے کہ بعض امور شرعی کا حسن مدرک بالعقل ہے

اگر چہ یہ مسلم ہے کہ بعض احکام شرعیہ کا حسن مدرک بالعقل بھی ③ ہے۔ لیکن

---

① انسان ② بنیاد رکھی جا سکے ③ بعض احکام اسلام کی خوبی عقل سے بھی معلوم ہو سکتی۔

اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ عقل ہی مدار مشروعیت ① ہے اور جب ایسے امور کے مشروعیت کے لئے جنکا حسن مدرک بالعقل کہا گیا ہے عقل کافی نہیں، تو امور دینیہ کے مشروعیت کے لئے اس کو کیسے کافی کہا جاسکتا ہے۔ اور کافی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جس کا حسن عقل سے معلوم ہوا اسی کو مشروع کہا جاوے۔ جس کا حسن عقل سے معلوم نہ ہوا اسی کو مشروع نہ کہا جاوے ② جیسا کہ ان لوگوں نے سمجھا ہے۔

دین میں صرف توحید و رسالت مدرک بالعقل ہیں

خوب سمجھ لیجئے کہ دین کی نسبت یہ قرار دے لینا کہ جملہ امور دینیہ کی بنا عقل پر ہے۔ سخت غلطی ہے۔ البتہ دین میں صرف دو چیزیں ہیں کہ وہ ثابت بالعقل ہیں۔ توحید اور رسالت یہ دونوں بیشک بایں معنی عقلی ہیں کہ ان کے ثبوت کیلئے دلیل عقلی محض پیش کی جاوے گی باقی ان کے سوا اصول دینیہ میں سے کوئی اصل اور فروع میں سے کوئی فرع بالمعنی المذکور عقلی نہیں۔

اس کے معنی کہ دین عقل کے موافق ہے

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ دین عقل کے موافق ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی کوئی چیز دلیل عقلی کے خلاف نہیں باقی یہ نہیں کہ اگر دلیل شرعی نہ ہوتی تو عقل اس حکم کو ثابت کر لیتی۔ یہی وجہ ہے کہ جن باتوں کے حسن وقبح کے ادراک میں عقل کو کافی بھی سمجھا جاتا ہے جیسے صدق کا حسن اور کذب کا قبح ③ کہ تمام دنیا اس پر متفق ہے اور وہ لوگ بھی اس کو مانتے ہیں جن کو دین سے کچھ علاقہ نہیں۔ ان کے بھی بعض افراد میں سوچنا پڑتا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عقل ان کے لئے بھی کافی نہیں۔

وحی اور عقل کا فرق

اور وحی کی یہ حالت ہے کہ اس کو کبھی بھی تردد نہیں ہوتا ہے۔ ہر جزئی کا حکم بتا سکتی ہے یہ اور بات ہے کہ وحی کے متعلق کسی مقام پر ہمارے استنباط ④ کی وجہ سے تردد

---

① یہ مطلب نہیں کہ عقل مصلحت کی وجہ سے شریعت نے یہ حکم دیا ہے ② جس کو عقل اچھا سمجھے اس کو شرعی حکم کہا جائے اور جسے اچھا نہ سمجھے اس کو شرعی حکم نہ کہا جائے ③ سچ کا اچھا ہونا اور جھوٹ کا برا ہونا ④ مسائل مستنبط کرنے کا محتاج بنایا۔

واقع ہو جائے بہت ممکن تھا کہ وحی ہر ہر جزئی کا حکم صاف صاف بتا دیتی لیکن حق تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ اجتہاد کا اجر ① بھی بندوں کو دیا جاوے اس واسطے قصداً استنباط کی احتیاج رکھدی ورنہ وحی ہر ہر جزئی کا حکم بیان کرسکتی ہے لیکن بہت سے بہت یہ ہوتا کہ کتاب اللہ بہت ضخیم ہو جاتی تو یہ کیا مشکل تھا۔ رہا یہ شبہ کہ واقعات تو غیر متناہی ہیں تو ان کے احکام بھی غیر متناہی ہونگے توان کو جو کتاب محیط ہوتی وہ بھی مقدار میں غیر متناہی ہوتی اس کتاب کو کون پڑھتا کیونکہ پڑھنے والے کی عمر متناہی ہے اور غیر متناہی کے پڑھنے کیلئے زمانہ بھی غیر متناہی چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ واقعات کا غیر متناہی ہونا مسلم نہیں۔ کیونکہ کتاب اللہ اتری ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں، اوراس میں احکام نفخ صور تک کے بیان ہونے چاہئیں اور یہ زمانہ محدود ہے تو واقعات بھی محدود ہوئے۔ تو ان کے بیان کیلئے نہ کتاب غیر متناہی کی ضرورت ہوتی نہ اس کے پڑھنے کیلئے زمانہ غیر متناہی کی ضرورت ہوئی۔ تو یہ شبہ لغو ہوا اور ثابت ہوا کہ ایسی کتاب ہوسکتی تھی جو تمام جزئیات کو حاوی ہو۔ لیکن ابتلا اور اعطاسے اجر اجتہاد کی مصلحت کے واسطے بعض احکام میں غموض رکھدیا گو وہ بھی ثابت بالوحی ہی ہیں اسی لئے فقہا کا قول ہے کہ قیاس مظہر ہے مثبت نہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ثبوت تو ہر حکم کا وحی سے ہوا۔ ہاں قیاس نے اس کو ظاہر کیا۔ اوراس کے اظہار میں غموض ہوگیا اوراسی غموض کے سبب بعض حکم مختلف فیہ ہوگیا۔ تو یہ دعویٰ صحیح رہا کہ عقل کو بعض احکام کے بیان میں تردد ہوتا ہے اور وحی کو کسی حکم کے بیان میں تردد نہیں ہوتا۔ اور اختلاف شافعی اور حنفی کے معنی یہ ہیں کہ ایک مجتہد اپنی رائے کو مستند الی الوحی کہتا ہے اور دوسرا مجتہد اپنی رائے کو۔ تو اصل ماخذ وحی ہی ہوئی غرض کسی چیز کے حسن وقبح کے ادراک کیلئے عقل کو کارآمد کہا جاتا ہے اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ عقل ان کے ادراک کیلئے کافی ہے۔ یہ شان صرف وحی کی ہے عقل صرف موید ہوسکتی ہے کافی نہیں چنانچہ بعض اوقات عقل ان چیزوں میں بھی تردد کرتی ہے جن کو مدرک بالعقل ② کہا جاتا ہے۔ مثلاً صدق کو اچھا اور کذب کو برا کہا جاتا ہے۔ اور یہ مدرک بالعقل ہیں۔

عقل کی حیرانی

لیکن بعض صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں حکم کرنے کیلئے عقل حیران رہ جاتی ہے

① اجتہاد کا ثواب ② عقل ہی سے معلوم ہوتی ہیں

مثلاً ایک شخص نے دیکھا کہ ایک بے گناہ پر کوئی ظلم کر رہا ہے اور ایسی صورت ہے کہ اگر یہ سچی بات کہتا ہے تو وہ پھنستا ہے۔ اور اگر وہ جھوٹ بولتا ہے تو وہ چھوٹتا ہے تو عقل کا حکم تو اپنے قاعدہ کے موافق ہی ہوگا کہ سچ کہنا چاہئے کیونکہ وہ صدق کے حسن کو تسلیم کر چکی ہے لیکن کہیں یہ بھی پڑھا تھا کہ بے گناہ کا ظلم سے چھڑانا واجب ہے تو اب دونوں طرف کی دلیل موجود ہے۔ تو عقل حیران ہوئی کہ دونوں دلیلوں میں سے ایک کو کس طرح ترجیح دے اور معتقد وحی ① کے پاس مرجح ② موجود ہے یعنی وحی کہ اس نے صدق کو اسلئے حسن کہا ہے کہ اس کے نہ ہونے سے فساد اور اتلافِ حقوق ③ لازم آتا ہے۔ اور جہاں خود صدق سے اتلاف حقوق ہونے لگے تو وہاں اس میں حسن ④ نہ رہے گا۔ لہٰذا اس کو چھوڑ دینا چاہئے علیٰ ہذا کذب کو بھی سمجھ لیجئے کہ عقل اس کو قبیح ⑤ کہتی ہے لیکن بعض وقت اس میں مصلحت ہوتی ہے عقل اس وقت حیران ہوتی ہے اور وحی حیران نہیں ہوتی وہ اس کے مواقع کی بلاتردد تعیین کر دیتی ہے۔ ثابت ہوا کہ عقل احکام میں کافی نہیں۔ اور وحی کافی ہے اور میں کہتا ہوں کہ اگر عقل بالکل یہی کافی ہوتی تب بھی بڑے سے بڑا کام عقل کا یہ ہوتا کہ یہ ادراک کر لیتی کہ یہ حالت حق تعالیٰ کو پسند ہے یا ناپسند۔ پسندیدہ کو حسن ⑥ کہتی اور ناپسندیدہ کو قبیح ⑦ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس حسن وقبح کا حکم بھی عقل کے تابع ہو جاوے پس اس صورت میں بھی عقل آلۂ ادراک حسن وقبح ہوتی ⑧ نہ کہ حاکم۔

وحی کا درجہ

حاکم حق تعالیٰ ہی ہوتے عقل حق تعالیٰ کے سامنے وہ رتبہ رکھتی ہے جو بادشاہ کے سامنے اس کا ایک پیادہ ⑨ رکھتا ہے جو بادشاہ کا حکم لوگوں کو سناتا ہے۔ نہ اس کی کوئی عظمت ہوتی ہے نہ اس کو مطاع سمجھا جاتا ہے عظمت حکم شاہی کی کی جاتی ہے اور مطاع ⑩ بادشاہ ہی کو سمجھا جاتا ہے۔ پیادہ صرف اس کے حکم کا مظہر ہوتا ہے۔ پیادہ بادشاہ کے احکام میں دخیل سمجھ لینا یا بجائے بادشاہ کے اس کو کافی سمجھ لینا غلطی عظیم ہے یہی نسبت عقل اور وحی کی ہے۔ غرض ثابت ہو گیا کہ عقل کسی طرح بھی حسن وقبح کے ادراک

① جو وحی کو مانتا ہے ② وجہ ترجیح ③ حق تلفی لازم آتی ہے ④ خوبی ⑤ برا ⑥ اچھا ⑦ برا ⑧ اچھائی اور برائی پرکھنے کا آلہ ⑨ سپاہی ⑩ قابل اطاعت۔

نام کیلئے کافی نہیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ اگر عقل اس کے لئے کافی ہوتی تو بہت سے وہ لوگ جو عقل معاش میں بہت بڑھے ہوئے ہیں وہ ایمان سے کیوں محروم ہوتے۔ اہل عقل ہونا ان کا مسلم ہے پھر ایمان کے حسن کو کیوں نہیں ادراک کیا۔ اور کیوں اس دولت سے مشرف نہیں ہوئے مگر جب ان کو وحی کی رہبری سے سمجھایا جاتا ہے تو ان کو بھی اس کی ضرورت کو ماننا پڑتا ہے۔ تو وجہ صرف یہ ہوئی کہ عقل اس بات کے ادراک کیلئے کافی نہیں ہوئی تھی کہ ایمان ضروری ہے جب دوسری ایک چیز (وحی) نے اس کی ضرورت کو بتلایا تو اس کو ادراک ہوگیا۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حکم کرنا عقل کا حق نہیں۔ یہ حق صرف خداوند تعالیٰ کا ہے۔ پس وہ چیز واجب ہے جس کو وہ واجب کہیں وہ چیز حرام ہے جس کو وہ حرام کہے وعلیٰ ہٰذا۔

احکام شرعیہ میں اختلاف کی وجہ

رہا یہ سوال کہ جب وحی ہر چیز کا حکم بے تردد بیان کرتی ہے تو شرعی احکام میں اختلاف کیوں ہوتا ہے؟ ایک عالم کسی بات کو فرض کہتا ہے اور دوسرا ناجائز اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اختلاف وتردد خود وحی میں نہیں بلکہ اس کے سمجھنے میں فہم مختلف ہوتا ہے اس سے یہ اختلاف پیدا ہوجاتا ہے اس کی مثال نور آفتاب ہے کہ نور ایک ہے لیکن قوی البصر ① کو سب چیزیں صاف نظر آتی ہیں اور ضعیف البصر ② کو دھندلی اور رنگین۔ تو یہ اختلاف نور کا اختلاف نہیں بلکہ ابصار③ کا اختلاف ہے۔ اسی طرح وحی میں قصور نہیں۔ فہم کا قصور ④ ہے۔ الحاصل ہر حالت کے حسن و قبح کو وحی سے دریافت کرنا چاہئے عقل پر اس کی مدار نہ رکھنا چاہئے اب وحی کے بتانے والے جن کو علماء کہتے ہیں دو قسم کے ہیں علماء ظاہر اور علماء باطن۔

علماء ظاہر اور باطن کے معالجہ میں فرق

علماء ظاہر بھی ہر چیز کا حکم بتاتے ہیں لیکن علماء باطن کی تعلیم اثر میں ان سے بڑھی ہوئی ہے۔ علماء ظاہر اُمت سے عام تعلق رکھتے ہیں اسلئے ضابطہ کی تبلیغ کرتے ہیں بس اتنا بتادیتے ہیں کہ اگر یہ صورت ہے تو یہ حکم ہے۔ اور یہ صورت ہے تو یہ حکم ہے مثلاً ایک شخص اچھا کپڑا پہنتا ہے علماء ظاہر سے اس کا حکم پوچھے گا تو بتائیں گے کہ اگر نیت تکبر

① جس کی نگاہ تیز ہو ② جس کی نگاہ کمزور ہو ③ یہ دیکھنے کا اختلاف ہے ④ سمجھ کا قصور ہے۔

کی نہ ہو تو جائز ہے اور ہو تو ناجائز اور علماء باطن چونکہ خاص تربیت کا بھی تعلق رکھتے ہیں اسلئے وہ تعلیم میں اس کا بھی فیصلہ کرتے ہیں کہ اس خاص شخص کی نیت تکبر کی ہے یا نہیں۔ اور اس کو وہ کپڑا پہننا جائز ہے یا نہیں۔ نیز وہ اپنی تعلیم میں اصل منشا کو دیکھتے ہیں۔ اور اسی کا علاج کرتے ہیں اور آثار کی طرف ان کی توجہ زیادہ نہیں ہوتی اور اہل ظاہر زیادہ تر آثار کو دیکھتے ہیں اور اسی اختلاف طرز تعلیم کے سبب علما باطن بعض اوقات ظاہری احتساب ① کا زیادہ اہتمام نہیں کرتے اسی سے کبھی اہل ظاہر ان پر طعن کرتے ہیں کہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتے ڈاڑھی منڈے ان کے یہاں آتے ہیں اور کچھ روک ٹوک نہیں کرتے حقیقت اس کی یہ ہے کہ یہ لوگ حکیم ہیں ایسا راستہ ڈھونڈتے ہیں جس سے اس منکر کا منشاء ② ہی ندارد ہو جاوے پھر وہ منکر خود نہ رہے گا۔ وہ علاج پورا کرتے ہیں مگر مریض کو بھڑکاتے نہیں جیسے شفیق طبیب کہ دوا دیتا ہے اور بوجہ شفقت مریض کے مذاق کی بھی رعایت رکھتا ہے کہ اُس کا منہ بھی کڑوا نہ ہونے پائے بتاشہ میں ③ رکھ کر دوا کھلا دیتا ہے یا کوئی ایسی چیز ملا دیتا ہے کہ اُس سے تلخی ④ بالکل زائل ہی ہو جاتی ہے۔ طبیبان الٰہی طبائع کی خصوصیات کو سمجھتے ہیں اور اسی کی رعایت کو دوا دیتے ہیں مگر عجلت نہیں کرتے مولانا جامی فرماتے ہیں۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالارانند   کہ برنداز رہِ پنہاں بحرم قافلہ را ⑤

یہ بزرگ خود بھی نقشبندی ہیں اس واسطے نقشبندیہ ⑥ کا لفظ کہہ دیا ورنہ مشائخ نقشبندیہ کی خصوصیت نہیں تمام مشائخ کا یہی طرز ہے۔ ان حضرات کے یہاں امر و نہی سب کچھ ہے۔ لیکن تدبیر کے ساتھ۔ اُن کے معالجات بہت مفید اور مرض کا استیصال ⑦ کرنے والے ہوتے ہیں مگر ان کے معالجات میں اور اہل ظاہر کے معالجات میں بڑا فرق ہوتا ہے مثلاً کبر کا ایک مریض ہو تو اہل ظاہر اس عمل کو دیکھ کر جو اس شخص سے صادر ہوا کہہ دیں گے تم نے یہ فعل مذموم ⑧ کیا اس کا علاج یہ ہے کہ توبہ کر لو یہ علاج صحیح ہے کیونکہ توبہ گناہ کو مٹا دیتی ہے لیکن آپ خیال کر سکتے ہیں کہ دس برس کے مرض کے علاج

① ظاہری اعمال پر مواخذہ نہیں کرتے ② اس برائی کی جڑ مٹا دیں ③ کڑوی گولی چینی میں لپیٹ کر کھلاتا ہے ④ کڑواہٹ ختم ہو جائے ⑤ نقشبندی بزرگ ایسے عمدہ قافلہ کی راہنمائی کرنے والے ہیں کہ سمندر سے بھی قافلے کو بحفاظت گذار دیتے ہیں ⑥ صوفیاء کے چار سلسلے ہیں ۔۱۔ نقشبندی۔ ۲۔ سہروردی۔ ۳۔ چشتی ۔ ۴۔صابری ⑦ مرض کو جڑ سے ختم کرنے والے ہیں ⑧ یہ برا کام کیا۔

کے لئے یہ توبہ استیصال ① میں کیسے کافی ہوسکتی ہے۔ اس علاج سے صرف ایک خاص فعل کا گناہ جاسکتا ہے مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ آج اس فعل سے بچ گیا تو کل کو اسی کبر ② کے کسی دوسرے فعل میں مبتلا ہوسکتا ہے اس فعل سے توبہ کرائی جائیگی تو پرسوں کو اور ایسے ہی گناہ میں مبتلا ہوجائیگا تو ساری عمر توبہ بھی رہے گی اور گناہ بھی ہوتا رہے گا معالجہ ہو رہا ہے مگر مرض سے نجات نہیں ملتی اور اہل باطن کیا کرینگے کہ اس فعل کی طرف زیادہ توجہ نہ کرینگے مگر کسی لطیف تدبیر سے اُس رذیلہ ③ کا یعنی اس کے غلبہ اور قوت کا اخراج قلب میں سے کردینگے جو منشاء تھا اس فعل کا۔ جب منشاء ہی نہ رہا تو یہ فعل بھی نہ رہیگا اور آئندہ کے لئے بھی اس جیسے تمام افعال سے اطمینان ہوجائیگا یہ علاج کامل ہے یا وہ اور یہ نہی ابلغ ④ ہے یا وہ۔

تکبر کا علاج

میں کرانہ گیا ہوا تھا ایک صاحب آئے اس شان سے کہ خدمت گار ساتھ مٹھائی لئے ہوئے اور فرمائش کی کہ مجھے بیعت کرلیجئے۔ میں اس حرکت کو دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ ان میں مرض تکبر اور ترفع ⑤ کا ہے میں نے کہا جلدی نہ کیجئے مجھے اس وقت وعدہ کے سبب ایک اور جگہ جانا ہے وہاں میرے ساتھ چلئے اور یہ مٹھائی بھی لے لیجئے وہ خود مٹھائی لے کر میرے ساتھ چلے دوسرے مکان پر پہنچے میں اسی طرح وہاں سے ایک اور مکان پر گیا اور وہاں سے اور مکان پر۔ اسی طرح بہت سے مکانوں پر گیا اور ایسی ایسی جگہ سے قصداً گزرا جو خوب آباد ہیں۔ اسی طرح خوب چکر لگوایا۔ ان کا علاج ہوگیا ترفع اور تکبر سب ملیا میٹ ⑥ ہوگیا۔ یہ عملی علاج ایک ہی جلسہ میں اُن کیلئے اکسیر ہوگیا اب مرض کا نام ونشان بھی نہیں رہا۔ دیکھئے اتنی سی دیر میں مزاج درست ہوگیا اتنی ذرا سی تدبیر نافع ہوگئی۔ زبان سے اس حرکت کے متعلق کچھ بھی نہیں کہا گیا لیکن اس حرکت کا منشاء مع تمام اس جیسے اور حرکات کے رخصت ہوا۔ دیکھئے یہ نہی ابلغ اور انفع ہوتی یا یہ نہی ہوتی کہ ان سے خاص اس حرکت سے توبہ کرالی جاتی مگر منشا کے باقی رہنے سے اور حرکات ترفع کی صادر ہوتی رہتیں ایسے ہی موقع پر بعض وقت زبان سے کہنے کا وہ اثر نہیں ہوتا جو سکوت کا ہوتا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

---

① توبہ سے اس مرض کی جڑ کیسے ختم ہوگی ② تکبر کے کسی دوسرے گناہ میں مبتلا ہوگا ③ اس برائی کی اصل جڑ سے نکال دیں گے ④ یہ نہی عن المنکر کا بہترین طریقہ ہے یا وہ ⑤ تکبر اور بڑائی کا مرض ہے ⑥ تکبر اور بڑائی سب دل سے نکل گئی۔

گرچہ تفسیر زباں روشنگر است   لیک عشق بے زباں روشن تر است ①

غرض اہل اللہ کی نظر بہت دقیق ہوتی ہے اس واسطے اُن کے معالجات بھی بہت لطیف ہوتے ہیں اور اہل ظاہر کی نظر وہاں تک نہیں پہونچتی اس واسطے ان کے معالجات بھی اُس شان کے نہیں ہوتے تو دونوں علاجوں کے طرز میں اس عارض سے فرق ہو گیا گو دونوں کا استناد ایک ہی وحی کی طرف ہے اس تقریر سے اس شبہ کے جواب میں کہ احکام میں وحی کے کافی ہوتے ہوئے پھر علماء میں اختلاف کیوں ہوتا ہے اس کلیہ کا اثبات ہو گیا کہ اختلاف کبھی اختلاف فہم کی وجہ سے ہوتا ہے۔

شریعت اور وحی ایک ہونے کے باوجود اختلاف سالک کی وجہ

تو گو شریعت اور وحی ایک ہے مگر علماء میں اس اختلاف فہم ② سے اختلاف ہو سکتا ہے۔ اور ایسا اختلاف آج ہی نہیں ہے بلکہ سلف میں بھی ہوا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ میں مانعین زکوۃ کے بارہ میں اختلاف ہوا کہ ان سے لڑنا چاہئے یا نہیں؟ صحابہ کی رائے یہ تھی کہ اس وقت لڑنا خلاف مصلحت ہے لیکن حضرت ابو بکرؓ اپنی رائے پر جمے ہوئے تھے آپس میں گفتگو ہوئی اچھا خاصہ مناظرہ ہو گیا لیکن ان کا مناظرہ آجکل کا سا مناظرہ نہ تھا کہ ہر شخص کی یہ نیت ہوتی ہے کہ دوسرے کو لاجواب کر دوں۔ ان کی نیت یہ تھی کہ بحث کرنے سے حق واضح ہو جائے خواہ کسی کی طرف ہو چنانچہ دونوں فریق نے گفتگو کی اور غور کیا جس سے حق واضح ہو گیا اور دونوں قتال پر متفق ہو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ ایک طرف تھے اور تمام حضرات ایک طرف۔ کثرت رائے پر فیصلہ نہیں ہوا۔ دونوں فریق حق کے طالب تھے اور جانتے تھے کہ حق وہ ہے جو وحی سے ثابت ہو دونوں نے غور کیا اور سوچ کر وحی کا حکم نکال لیا اور اسی کو سب نے مان لیا۔ رائے محض سے فیصلہ نہیں کیا، وہ لوگ خدا کے احکام کے متبع تھے۔ اپنی رائے کے متبع نہ تھے۔

احکام الٰہی میں رائے کو دخل نہیں

خدا کے احکام رائے سے نہیں معلوم ہو سکتے۔ اس کا راز یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بشر

---

① زبانی تفسیر اگرچہ مسئلہ کو واضح کر دیتی ہے لیکن عشق کی زبان اس سے بھی زیادہ واضح کرنے والی ہے ② سمجھ کے تفاوت کی وجہ سے۔

نہیں ہیں۔ بشر کی رائے جن احکام کو ثابت کرتی ہے خدا تعالیٰ کی طرف ان کو منسوب کرنے میں قیاس الغائب علی الشاہد ① ہوگا کہ جب ہمارے علم میں یہ اصلح ہے تو خدا تعالیٰ کے علم میں بھی یہی اصلح ہوگا اور یہ جائز نہیں۔

مجسمہ کی گمراہی کا سبب

اور یہ ایسی غلطی ہے جس سے بہت سے فرقے گمراہ ہوگئے ہیں دیکھو مجسمہ نے دیکھا کہ اعضاء کا ہونا کمال ہے تو اس کو حق تعالیٰ کے لئے بھی ثابت کر دیا اور تجسم ② کے قائل ہوگئے اس میں کیا غلطی ہوئی سوائے اس کے کہ قیاس الغائب علی الشاہد ③ کیا گیا۔ انھوں نے یہ نہیں سمجھا کہ اعضاء کا ہونا کمال ہے ہمارے لئے نہ کہ حق تعالیٰ کے لئے۔ اور بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا کہ کچھ نصوص بھی ان کو مل گئے جن سے ان کے خیال کو تائید ہوئی۔

نصوص کی خاصیت

نصوص ④ کی خاصیت یہ ہے کہ جب کوئی حق کے اتباع کیلئے قطع نظر ضروریات اور مصالح سے ان میں نظر اور فکر کرتا ہے تو اس کو ان سے صحیح راستہ مل جاتا ہے اور جب کوئی حکم کو اپنی رائے سے متعین کر کے نصوص سے اس کی تائید ڈھونڈتا ہے تو اس کو ظاہراً تائید بھی مل جاتی ہے یہی فرق ہے اہل حق اور اہل باطل میں کہ اہل حق خالی الذہن ہو کر وحی کے حکم کو معلوم کرتے ہیں چاہے اُس میں ان کی ذلت ہو یا مصالح فوت ہوتے ہوں یا کچھ بھی ہو ان کے نزدیک بس مصلحت یہ ہے کہ

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند ⑤

اُن کی نظر سوائے ایک ذات کے کسی پر نہیں پڑتی

یکے دان و یکے بین و یکے گوئے یکے خوان و یکے خواہ و یکے جوئے ⑥

ان کی رائے میں بڑی مصلحت یہی ہے کہ خدا راضی ہو اور بس اور اہل باطل یہ کرتے

---

① موجود پر غائب کو قیاس کرنا لازم آتا ہے جو غلط ہے ② خدا تعالیٰ کے لیے جسم ہونے کے قائل ہوگئے ③ موجود پر غائب کو قیاس کیا ④ قرآن وحدیث ⑤ میرے نزدیک مصلحت یہی ہے کہ آدمی سب کر وفر چھوڑ کر محبوب کی منشاء کے مطابق عمل کرے ⑥ ایک ہی کو دیکھے ایک ہی کی بات کرے اور ایک ہی کی تلاش میں رہے یعنی اللہ رب العزت کی رضا۔

ہیں۔ کہ رائے سے یا تجربہ سے ایک مقصود کو پہلے متعین کرلیا اور اس کے بعد نصوص کی تلاش کی اس صورت میں کچھ نہ کچھ تائید مل ہی جاتی ہے اگر مل گئیں تو خوش ہیں کہ ہم وحی کے موافق عمل کرتے ہیں چاہے نصوص کی دلالت ان کے مقصود پر صحیح ہو یا نہ ہو اگر نہ ہوئی تو کھینچ کھانچ کر بنالیتے ہیں۔ مرجیہ قدریہ سب اہل باطل نے یہی کیا ہے۔ کوئی اعضاء کا حق تعالیٰ کے لئے قائل ہے کوئی شکل کا سب کے پاس کچھ نہ کچھ نصوص موجود ہیں مثلاً فَإِنَّكَ بِأَعۡيُنِنَا ۖ اور يَدُ ٱللَّهِ فَوۡقَ أَيۡدِيهِمۡ ۚ وعلی ہذا ہر ایک کے پاس اپنے خیال کی موافقت میں نصوص ہیں۔

حضرت تھانویؒ کا جواب لاجواب

مجھ کو اپنا ایک واقعہ اس قیاس الغائب علی الشاہد ① کے متعلق یاد آگیا کہ دو ہندو گرو اور چیلے میرے پاس آئے ملاقات کے لئے کچھ دہیان گیان بھی کرتے تھے اور خلوت پسند اور زہد پسند تھے اور وہ چیلہ رئیس تھا اور اپنے باغ کے پھل بھی ہدایۃً لایا تھا۔ میں نے لینے سے عذر کیا اس خیال سے کہ اس کی مکافات ② میں کیا کرسکتا ہوں مسلمان کو تو یہ مکافات کرسکتا ہوں کہ کچھ دینی نفع پہنچادوں یا کم سے کم دعا کردوں اور ان کو ان میں سے کوئی نفع بھی نہیں پہنچا سکتا۔ دعا کی جائے تو سب سے پہلے دعا یہی ہوسکتی ہے کہ حق تعالیٰ تم کو مسلمان کردیں سو یہ ان کے نزدیک کوسنے سے بھی زیادہ ہے مگر اس نے زیادہ اصرار کیا آخر میں نے وہ ہدیہ لے لیا تاکہ دل شکنی نہ ہو، پھر اس نے کہا ہم کو کچھ پوچھنا ہے وہ یہ کہ اہلِ اسلام قرآن کو حق تعالیٰ کا کلام کہتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ خدا بولتا ہے اور بولنا ہوسکتا ہے زبان سے تو خدا کے لئے زبان ہوئی اور جسم ثابت ہوا حالانکہ حق تعالیٰ تجسم ③ سے پاک ہے میں نے کہا آدمی کو جو متکلم کہا جاتا ہے درحقیقت متکلم زبان ہی ہے تو اگر تکلم کے لئے زبان کا ہونا شرط ہے تو زبان کے لئے ایک اور زبان چاہئے اور اس زبان میں بھی یہی گفتگو ہوگی کہ اس کے لئے بھی ایک اور زبان چاہیے تو تسلسل لازم آئیگا، اور یہ گفتگو صرف زبان ہی میں نہیں ہے قوت سامعہ ④ میں بھی یہی کہا جاسکتا ہے کہ اصل سامع کان ہے تو اگر سماعت کے لئے کان کی ضرورت ہو تو کان کے لئے ایک اور کان چاہئے تو اس میں بھی وہی تسلسل لازم آئیگا۔ اسی طرح اصل

① موجودہ پر غائب کو قیاس کرنے کا ② بدلہ کیا دے سکتا ہوں ③ جسم ہونے سے پاک ہے ④ سننے کی قوت

دیکھنے والی آنکھ ہے تو اگر دیکھنے کے لیے آنکھ کی ضرورت ہے تو آنکھ کے لئے ایک اور آنکھ چاہئے تو وہی تسلسل لازم آیا اور تسلسل محال ہے تو دوسری شق واجب التسلیم رہی وہ یہ کہ زبان متکلم ہے بلا دوسری زبان کے اور کان سامع ① ہے بلا دوسرے کان کے اور آنکھ مبصر ہے بلا دوسری آنکھ کے تو جبکہ زبان بلا واسطہ کے متکلم ہے تو کیا حق تعالیٰ کی ذات قدرت میں زبان سے بھی کمتر ہے کہ وہ بلا واسطہ زبان کے تکلم نہ کر سکے۔ یہ سن کر وہ حیرت میں رہ گئے اور چونکہ وہ اللہ کا نام لیتے تھے گو کسی طرح سے لیتے ہوں اور خلوت نشین تھے اسلئے ان کے فہم میں ایک گونہ لطافت تھی جو ایسی دقیق بات کو سمجھ گئے۔

ترک تعلقات کا فائدہ

میں بقسم کہتا ہوں کہ تقلیل تعلقات ② اور ترک دنیا میں یہ خاصیت ہے کہ اس سے نور پیدا ہو جاتا ہے فہم میں۔ گو وہ مقبول نہ ہو کیونکہ مقبولیت کے لئے ایمان شرط ہے مگر پھر بھی وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے اندھوں میں کانا مطلب اس مثال سے یہ ہے کہ اس کو ایسا نور نہیں حاصل ہوتا جیسا اہل ایمان کو وہ شخص اپنی گرد سے کہنے لگا کہ یہ ہے علم اور یہ ہے جواب۔ اس جواب کا حاصل یہی ہے کہ حق تعالیٰ کو بندوں پر قیاس کرنا قیاس الغائب علی الشاہد ③ ہے۔ اور مجسمہ فرقہ نے یہی غلطی کی ہے کہ زبان اور کان وغیرہ اعضاء کو کمال پایا اس واسطے اس کمال کو حق تعالیٰ کے لیے بھی ثابت کر دیا یہ نہ سمجھا کہ یہ کمال ہیں انسان کے لیے نہ کہ حق تعالیٰ کے لیے۔ حق تعالیٰ ان عوارض سے منزہ و مبرا ہیں۔

دیہاتی کی حکایت

اس پر ایک حکایت یاد آئی کہ ایک واعظ صاحب نے بیان کیا کہ خدا تعالیٰ آنکھ ناک کان سب سے پاک ہیں اس کو سن کر ایک اعرابی ④ بہت خفا ہوا اور کہنے لگا معلوم ہو کہ تیرا خدا بطیخ شامی ہے گول مول کہ اس میں نہ آنکھ ہے نہ ناک نہ ہاتھ نہ پیر اور وعظ میں سے اٹھ کر چل دیا۔ یہاں ایک تحقیق طالبعلموں کے کام کی ہے وہ یہ کہ اُس اعرابی پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا اس پر یہ اعتراض نہ کیا جاوے گا کہ جب یہ اس سے خفا

---

① سنتا ہے ② تعلقات میں کمی کرتے ③ اللہ کو بندوں پر قیاس کرنا ایسا کہ غائب کو حاضر پر قیاس کیا جائے ④ دیہاتی۔

ہوا کہ حق تعالیٰ سے آنکھ کان کی نفی کی گئی تو یہ تجسم ① کا قائل ہوا اور فرقہ مجسمہ اہل باطل میں سے ہے اور ناری ② ہے۔ سو اس پر حکم جاری نہیں ہوگا۔ یہ بات کسی متکلم سے آپ نہیں سنیں گے متکلم تو یہی فتویٰ دے گا کہ اس کا یہ عقیدہ غلط ہے اور اسلام کے خلاف ہے۔

یہ اعرابی پکا مسلمان ہے

نہیں یہ شخص خلاف اسلام نہیں بلکہ پکا مسلمان ہے مگر یہ بات متکلم نہیں کہہ سکتا۔ یہ بات صوفیہ کا ایک غلام کہہ رہا ہے۔ صوفیہ ظاہر بیں نہیں ہیں اہل حقیقت ہیں وہ الفاظ کو نہیں دیکھتے۔ معانی کو (جو الفاظ کے منشاء ہیں) دیکھتے ہیں۔۔ اس اعرابی نے جو یہ اعتراض کیا کہ تیر خدا بطیخ شامی ہے تو نہ اس بناء پر کہ وہ فرقہ مجسمیہ کو حق پر سمجھتا تھا بلکہ اس بناء پر کہ لولا لنگڑا اور اندھا بہرا ہونا عیب ہے اور خدا کے لئے عیب کا ثابت کرنا سخت برائی کی بات ہے تو اُس نے قصد حق تعالیٰ کی تقدیس کا کیا اور یہ عین ایمان ہے تو وہ مومن ہوا رہا یہ کہ اس کے الفاظ سے تجسم لازم آ گیا اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں وہ معذور ہے وہ اتنی سمجھ ہی نہیں رکھتا تھا کہ واعظ کے مطلب کو سمجھے کہ وہ تجسم کی نفی اس لیے کر رہا ہے کہ وہ عیب اس کی سمجھ اتنا ہی کام کرتی تھی کہ اعضاء کی نفی کرنا عیب کو منسوب کرتا ہے کیونکہ جس کے اعضا نہ ہو وہ لولا لنگڑا اپاہج کہلاتا ہے اور اس کو عیب ہی سمجھتے ہیں۔ لہٰذا اس نے اس کی نفی کی ان دقائق کو کیا سمجھ سکتا تھا کہ اعضاء اور جسم کا ہونا عیب ہے اور ان کی نفی کمال ہے۔ اب آپ غور کرلیں کہ متکلم کا فتویٰ صحیح ہے یا صوفی کا۔ اگر صوفی متکلم سے پوچھ بیٹھے کہ تم اس اعرابی پر جو کچھ اعتراض کرتے ہو اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اس دقیقہ کو کیوں نہ سمجھ سکا کہ اعضاء کی نفی کرنا درحقیقت کمال ہے اس میں دعویٰ ہے اس بات کا کہ متکلم صاحب ذات و صفات کے تمام دقائق کو کما حقہ سمجھتے ہیں یہ ایسا دعویٰ ہے کہ اس کی نفی خود علم کلام میں موجود ہے علم کلام میں یہ مسئلہ مصرح موجود ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم بالکنہ کسی کو نہیں ہوسکتا جب یہ بات ہے تو ثابت ہوا کہ بہت سے دقائق کو تم بھی نہیں جانتے ہو پھر اس اعرابی پر اعتراض کا کیا حق ہے۔ صوفی کے اس اعتراض کو کوئی اٹھا نہیں سکتا۔

---

① اللہ کے لیے جسم کا قائل ہوا ② دوزخی

حقیقت شناس صوفیہ ہی ہیں

دراصل حقیقت شناس یہی حضرات ہیں ان کی نظر تہہ تک پہنچتی ہے ان کی کوئی بات سطحی اور بے اصل نہیں ہوتی۔ دیکھئے اس اعرابی کے لئے کیسا صحیح فتویٰ دیا جو دل کو لگتا ہوا اور سمجھ میں آتا ہوا ہے اور اس فتویٰ میں ان کے پاس حدیث سے ثبوت ہے۔

ایک لونڈی کا قصہ کہ اللہ اوپر ہے

وہ ایک لونڈی کا قصہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا این اللہ یعنی اللہ کہاں ہے؟ اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا کہ اوپر ہے پھر پوچھا کہ میں کون ہوں؟ کہا آپ رسول ہیں اللہ کے۔ پس آپ نے فرمایا یہ مؤمن ہے۔ یہ واقعہ بالکل نظیر ہے اس اعرابی کے قصہ کا جو اعتراض اس اعرابی پر ہوتا ہے وہی اس لونڈی پر بھی ہوسکتا ہے کیونکہ جیسا کہ تجسم حق تعالیٰ کے لئے ممتنع ہے ویسا ہی تحیز ممتنع ہے ① اور وہ اشارہ کرتی ہے آسمان کی طرف کہ خدا تعالیٰ اوپر ہے تو مکان اور حیز ثابت ہوگیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ایمان کی شہادت دیتے ہیں تو اس اعرابی کے ایمان کا بھی ثبوت ہوگیا۔ بات یہ ہے کہ اس لونڈی کا فہم اتنا ہی تھا اس کا فہم اس سے زیادہ کا متحمل نہ تھا ایسے ہی اس اعرابی کا فہم بھی اتنا ہی تھا اس سے زیادہ کا متحمل نہ تھا اس کو اس سے زیادہ دقائق کے سمجھنے کی تکلیف دینا تکلیف مالا یطاق ہے۔

کفن چور کا قصہ متعلق خوف

ایک اور قصہ حدیث میں آتا ہے اُس سے بھی اس صوفی کے فتوے کی تائید ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک نباش یعنی کفن چور تھا بڑا گنہگار ساری عمر اس نے یہی کام کیا اور جانتا تھا کہ یہ کام برا ہے مگر تمام عمر مبتلا رہا۔ جب مرنے لگا تو اس نے عجیب وصیت کی جس سے کوئی خشک مولوی یا متکلم تو کفر ہی کا فتویٰ لگائیگا (گویہ مجمع اس قصہ کے بیان کا متحمل نہیں مگر رحمت خدا تعالیٰ کو میں کیوں تنگ کروں جب ایک واقعہ ہے اور حدیث میں اس کو بیان فرمایا گیا ہے تو میں کیوں اُس کے اظہار میں بخل کروں) اُس نے وصیت یہ کی کہ جب میں مرجاؤں تو مجھ کو جلا کر راکھ کر دینا اور آدھی راکھ ہوا میں اڑا دینا اور آدھی دریا میں بہا دینا۔ اگر پھر بھی میرے اوپر خدا کا قابو چل گیا تو مجھ کو طرح طرح

① کسی خاص مکان میں ہونا بھی منع ہے

کا ایسا عذاب پہنچادے گا جو آج تک کسی کو نہ دیا ہوگا۔ حدیث میں لئن قدر اللہ کا لفظ ہے ان شک کے واسطے ہوتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کو شک تھا حق تعالیٰ کی کمال قدرت میں ۔ چنانچہ وارثوں نے ایسا ہی کیا کہ اس کی لاش کو جلا کر آدھی راکھ دریا میں بہادی اور آدھی ہوا میں اڑادی۔ لیکن اس سے کیا ہوتا تھا۔ حق تعالیٰ کی قدرت سے باہر کیسے جا سکتا تھا حق تعالیٰ نے تمام اجزا کو دریا اور ہوا میں سے جمع کیا اور اس کو زندہ کیا اور پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا؟ عرض کیا اے اللہ! آپ کے خوف سے۔ حکم ہوا فرشتوں کو کہ یہ ہم سے ڈرتا ہے اسے چھوڑ دو ہم نے بخش دیا۔ اتنے جہل پر بھی بخشش ہوگئی۔

اشکال

اب اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ مومن تھا یا کافر؟ اس کو کافر تو کہہ نہیں سکتے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ کافر کی بخشش نہیں ہوسکتی نہ اس امت میں اور نہ کبھی پہلے کسی امت میں ایسا ہوا کہ کافر کی بخشش ہوئی ہو تو لامحالہ اس کو مومن ماننا پڑیگا حالانکہ اس نے لفظ ایسا کہا ہے جو ایمان کے خلاف ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی قدرت ہی میں جسے شک ہو وہ مومن کیسے کہا جا سکتا ہے۔ ایمان جیسا کہ ذات حق کے ساتھ ضروری ہے ایسے ہی صفات پر بھی ضروری ہے۔ یہاں متکلم سے پوچھو کہ اس سوال کا جواب کیا ہوسکتا ہے؟۔ متکلمین نے اس سے تعرض کیا ہے اور یہی اشکال کیا ہے کہ اُس نے ان شکیہ کے ساتھ کہا ہے تو اس کو قدرت میں شک ہوا اور جس کو قدرت حق تعالیٰ میں شک ہو وہ کافر ہے اور کافر کی بخشش نہیں ہوسکتی مگر جب اس کی بخشش ہوگئی تو یہ کافر نہیں ہے۔ اس لئے انھوں نے اس میں ایک تاویل کی ہے جو صرف مومن سمجھوتا ہے وہ یہ کہ لئن قدر اللہ کے معنی لئن ضیق اللہ لئے قدر بمعنی تنگ گیری کے بھی آتا ہے جیسے فقدر علیہ رزقہ میں ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اگر حق تعالیٰ نے میرے اوپر تنگ گیری کی اور قہاریت سے کام لیا تو بڑا عذاب دینگے اس پر ان شکیّہ کا لانا بالکل صحیح ہے کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ تنگ گیری کی جاوے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نہ کی جاوے۔ یہ تاویل ہے جس سے متکلمین نے دل کو سمجھا لیا لیکن اب فہم سمجھ سکتے ہیں کہ اگر اس کی یہ مراد تھی تو جسم کو جلانے اور اڑانے کی وصیت کیوں کی؟ کیا اس کے بعد تنگ گیری نہیں ہوسکتی؟ البتہ اس کے بعد تنگ گیری اسی صورت میں نہیں ہوسکتی کہ اجزا کا جمع کرنا

قدرت سے خارج ہو تو پھر وہی اشکال لوٹ آیا کہ اس کو قدرت میں شک تھا غرض یہ فعل خود بتلا رہا ہے کہ قدر کے معنی تنگ گیری کے نہیں ہو سکتے بلکہ قدرت ہی سے مشتق ہے پس یہ تاویل بالکل بارد ہے اس سے وہ سوال رفع نہیں ہوتا۔

جواب اشکال

اس کا جواب صوفیہ اور عارفین سے پوچھو وہ کہتے ہیں جتنا فہم اتنا مواخذہ اس کا فہم اتنا ہی تھا کہ اس فعل کے بعد کہ خاک کو دریا اور ہوا میں اڑا دیا جائے اس کو احتمال ہوا کہ شاید پھر اس پر قدرت نہ ہو کہ اسے پھر جمع کر کے زندہ کرے اور عذاب دے۔ پس اس پر مواخذہ اس واسطے نہیں کیا گیا کہ اس سے زیادہ اس کی سمجھ کام نہیں کر سکتی تھی۔ تو اس غلطی میں معذور ہوا۔ اور خشیت کی صفت اس میں موجود تھی ہی پس اس کی بدولت مغفرت ہوگئی دیکھئے کس سہولت سے وہ سوال حل ہو گیا یہ دونوں قصے لونڈی اور نباش کے حدیث میں موجود ہیں ان سے پورا جواب ہو گیا الزام کا جو اس اعرابی پر عائد ہوا تھا اور تحقیق ہوگئی ایک مسئلہ کی کسی کو کافر کہنے میں بڑی احتیاط چاہیئے بعض اہل علم ذرا ذرا سی بات میں ایمان سے خارج کر دیتے ہیں یہ بڑی غلطی ہے۔ یہ حکایت اعرابی کی اس ضمن میں بیان ہوئی تھی کہ مجسمہ نے حق تعالی کے لئے جسم اور اعضا ثابت کئے جیسا کہ اس اعرابی کے اس جملہ سے ثابت ہوتا ہے کہ تیرا خدا بطیخ شامی ہے (1) کہ اس میں آنکھ ہے نہ ناک وہ اعرابی تو معذور تھا کیونکہ جاہل تھا اس کو اس سے زیادہ سمجھ ہی نہ تھی وہ اپنے خیال کے موافق یہ سمجھے ہوئے تھا کہ اعضاء کا ہونا کمال ہے اور نہ ہونا نقصان اور عیب اس واسطے اُس نے اعضاء کے نفی کو ذات حق کیلئے برا سمجھا اور اس سے خفا ہوا اور فرقہ مجسمہ اہل علم ہیں وہ دلیل اور حجت کو سمجھ سکتے ہیں وہ اس خرافات کے قائل ہونے میں معذور نہیں ہو سکتے اور اُن سے مواخذہ ہوگا۔

فرقہ مجسمہ کے باطل نظریات

مجسمہ نے تو غضب ہی کیا ہے۔ حق تعالیٰ کیلئے جسم اور اعضاء ثابت کئے ہیں اور یہاں تک کہہ دیا ہے کہ حق تعالی عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور پیمائش کی تک لکھ دی ہے کہ چار چار انگل چاروں طرف عرش سے نکلا ہوا ہے نعوذ باللہ من هذه الخرافات اور

(1) شامی تربوز

لغویات کیلئے ثبوت پیش کئے ہیں چنانچہ الرحمن علی العرش استویٰ سے عرش پر بیٹھنا ثابت کیا۔ پھر یہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ کی شان سب سے بڑی ہے چنانچہ ہر وقت نماز میں کہا جاتا ہے اللہ اکبر اور جا بجا آیا ہے و ھو العلی العظیم اس واسطے یہ تو احتمال نہیں کہ حق تعالیٰ کو عرش سے چھوٹا مانیں لہٰذا یہ مان لیا کہ عرش سے بڑا ہے اور بڑائی کی مقدار چار انگل مقرر کر دی کیونکہ اس سے بھی کیا کم بڑائی ہوگی اور چونکہ یہ لوگ اپنے ان دعوں پر دلیل لاتے ہیں تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ اہل علم اور اہل استدلال ہیں وہ اس اعرابی کی طرح معذور کیسے قرار دیئے جاسکتے ہیں وہ ضرور غلطی پر ہیں اور قابل مواخذہ ہیں۔ انھوں نے غلطی یہی کی ہے کہ اپنے اوپر قیاس کیا ذات حق جل وعلا کو۔ دیکھا کہ ہمارے واسطے اعضاء اور جسم کا ہونا کمال ہے لہٰذا حق تعالیٰ کے لئے بھی یہی کمال ہوگا اور اس کو ثابت مان لیا حالانکہ یہ سخت غلطی ہے کیا ایک بات جو ایک شخص کے لئے کمال ہو وہ لازم ہے کہ دوسرے کے لئے بھی کمال ہو؟۔ اگر ایک چپراسی کیلئے خدمت کرنا اور نوکری پر کھڑا رہنا کمال ہے تو یہ کیا بادشاہ کیلئے بھی کمال ہوگا بہت موٹی بات ہے کہ اگر بادشاہ ایسا کرے تو کہا جائیگا کہ چھچورا ہے اور اس کو حوصلہ نہیں ہے سلطنت کا پھر جو بات مخلوق کے لئے کمال ہو اس کو خالق کیلئے کمال سمجھنا کیسے درست ہوگا؟۔ کم فہم اور عامی آدمی کا معذور ہونا اور بات ہے اور مسئلہ کی تحقیق اور چیز۔ سمجھدار اور اہل علم ایسی غلطی میں معذور نہیں ہوسکتے۔

قصۂ شبان کی تحقیق

مولانا شبان ① کے قصے میں اس کا فیصلہ کرتے ہیں وہ قصہ مشہور ہے بارہا سنا ہوگا۔ مختصر یہ ہے کہ ایک چرواہا فرط محبت میں حق تعالیٰ کو خطاب کر کے کہہ رہا تھا کہ آپ مجھے مل جاویں تو میں روٹیاں پکا کر گھی لگا کر کھلاؤں دودھ مکھن بالائی سب آپ ہی کو کھلادوں کپڑے پھٹ گئے ہوں تو سی دوں۔ کپڑوں میں جوں پڑ گئی ہوں تو دیکھ دوں اور جانے کیا کیا واہی تباہی بک رہا تھا۔ حضرت موسی علیہ السلام ان کلمات کو سنکر کانپ اُٹھے اور اس کو زجر ② کیا اس پر حضرت موسی علیہ السلام پر عتاب ہوا اور ارشاد ہوا

① مولانا روم مثنوی شریف میں ② ڈانٹا۔

ہر کسے را سیرتے بنہادہ ایم ہر کسے را اصطلاح دادہ ایم
در حق او شہد و در حق توسم در حق او مدح در حق تو ذم

مطلب یہ ہے کہ ہمارا برتاؤ ہر شخص کے ساتھ اس کی فہم کے موافق ہے جو کلمات آپ کے حق میں ذم ہیں وہ اُسکے حق میں مداح ہیں اسی قصہ کے سلسلہ میں مولانا فرماتے ہیں۔

گرچہ یک جنس اند مردوزن ہمہ گر تو مردے را بخوانی فاطمہ
گرچہ خوش خوی و حلیم و مؤمن ست قصد خون توکند تا ممکن ست
مرد را گوئی بود زخم سناں فاطمہ مدح ست در حق زنان

فاطمہ کوئی برا لفظ نہیں معنی اس کے کچھ خراب نہیں بہت معظم ومکرم نام ہے پھر مرد اس سے کیوں برا مانتا ہے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ گو یہ لفظ اچھا ہے اور معظم ہے مکرم ہے مگر صرف عورتوں کے لئے ہے نہ مردوں کے لئے یہ کیا ضرور ہے کہ جو لفظ ایک صنف کیلئے اچھا اور معظم ومکرم ہوتو دوسرے صنف کیلئے بھی ہو ایک کو دوسرے پر قیاس کیسے کیا جاوے جب مرد اور عورت میں اتنا تفاوت ہے کہ ایک کا حکم دوسرے پر جاری نہیں کر سکتے باوجودیکہ دونوں میں علاقہ مجانست کا ہے تو حضرت حق اور انسان میں تو کچھ نسبت اور علاقہ ہی نہیں ہے۔ انسان کے احکام حضرت حق پر کیسے جاری کر سکتے ہیں؟ یہ قیاس کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ جو بات انسان کیلئے کمال ہو وہ حضرت حق کیلئے بھی کمال ہو۔

لطیفہ

فاطمہ کے لفظ پر ایک لطیفہ یاد آیا۔ ہمارے ایک مکرم ہیں وہ مشکوٰۃ شریف پڑھا رہے تھے اس میں حضرت عائشہؓ کے فضائل کی حدیثیں آئیں غایت تمنا سے فرمانے لگے کہ کاش میں عائشہؓ ہوتا۔ میں نے یہ قصہ سن کر کہا کہ عائشہؓ ہونے کی تمنا کی ابوبکرؓ ہونے کی تمنا کیوں نہ کی کہ مرد بھی رہتے اور فضیلت بھی حاصل ہو جاتی یہ حکایت طرداً ذکر ہوگئی۔

جو چیز ایک کے لیے کمال ہو ضروری نہیں کہ دوسرے کے لیے کمال ہو

بیان یہ تھا کہ قیاس الغائب علی الشاهد جائز نہیں یہ کیا ضرور ہے کہ جو بات ہم انسانوں کے لئے کمال ہو وہ حضرت کیلئے بھی کمال ہو۔ مجسمہ نے یہی غلطی کی کہ جسم کو مخلوق کے لئے کمال دیکھ کر حق تعالیٰ کے لئے بھی کمال سمجھا اور نصوص سے اس کی

تائید تلاش کر کے اُسے ثابت کیا۔ اور در حقیقت انہوں نے نصوص کا بھی کامل تتبع ①
نہیں کیا یداللہ فوق ایدیھم میں ید کا لفظ تو دیکھ لیا۔ لیکن لیس کمثلہ شئی ②
کو نہیں دیکھا جس میں نفی ہے تمام عالم سے مماثلت کی۔ جب کسی چیز کو حق تعالیٰ سے
مماثلت اور کوئی جنسیت نہیں تو کسی چیز کے احکام ان کی ذات پر کیسے جاری ہو سکتے ہیں؟ اور
یہ ان کے ذہن میں نہ آیا کہ وہ ذات تمام مخلوقات اور ممکنات سے وراء الورا ثم وراء
الورا③ ہے۔ میں نے اوپر ایک موقع پر جہاں حضرت ابوبکرؓ کے قتال مرتدین کا ذکر ہے
اس کے تھوڑی دیر بعد کہا ہے کہ یہ چال ہی غلط ہے کہ اول ایک مقصود اپنی رائے سے
قائم کر لیا پھر اسکی تائید کے لئے نصوص کی تلاش شروع کی۔ اس صورت میں جوئندہ یا
بندہ④ نصوص موہمہ بھی مل جاتے ہیں مگر یہ طریقہ اہل حق کا نہیں ہے اور اس طرح سے
حق ہاتھ نہیں آتا۔ اس صورت میں اتباع تو ہوا ھویٰ⑤ کا اور حیلہ کے لئے نصوص کو بھی
لے لیا گیا۔ اگر یہ طریقہ حق کے مل جانے کا ہوتا تو بہتر ۷۲ فرقے کیوں ہوتے؟ کیونکہ
حق تو ایک ہی ہے اس تک سب پہنچ جاتے یہ ۷۲ فرقے اسی طرح تو ہوئے کہ ہر فرقے
نے ایک دعویٰ اپنے دل سے تراش کر قرار دے لیا پھر اس کے ثبوت کے لئے کچھ نصوص
ڈھونڈ لیں۔ چنانچہ جس سے پوچھیئے وہ کہتا ہے قال اللہ کذا و قال اللہ کذا۔

قرآن کی مثال

ایک شخص نے خوب کہا ہے کہ قرآن چوں مرد سخی ست کہ ہر کس و ناکس بداں
تمسک تواند کرد یعنی قرآن کی مثال ایک بہت بڑے سخی آدمی کی سی ہے کہ کسی سائل
کو خالی نہیں پھیرتا نہ پھیرنے کے معنی یہ نہیں کہ واقعی قرآن میں سے وہ باطل مضمون نکل
آتا ہے اس معنی کو تو نعوذ باللہ لازم آئیگا کہ قرآن مجموعہ ہوگا حق و باطل کا بلکہ باطل ہی
ہوگا کیونکہ مجموعہ حق و باطل کا باطل ہوتا ہے۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ قرآن کی عبارت بمصلحت
ابتلاء⑥ اس قسم کی ہے کہ اس کے معنوں کو توڑ مروڑ کر مضمون کو ثابت کر لیا جاتا ہے۔

① انہوں نے نصوص بھی صحیح اور مکمل طور پر تلاش نہیں کیں ② اللہ جیسا کوئی نہیں ③ تمام مخلوقات سے بالاتر ہے
④ جو تلاش کرے گا پا بھی لے گا ⑤ خواہش نفسانی کا ⑥ لوگوں کی آزمائش کے لیے ایسے الفاظ ہیں

اہل باطل واہلِ حق کا فرق

اگر کوئی کہے پھر اہل حق اور باطل میں تمیز کیسے ہو یہ بھی تو احتمال ہے کہ اہل باطل کا استدلال صحیح ہو اور جن کو اہل حق کہا جاتا ہے ان کے معنوں میں توڑ مروڑ ہوئی ہو اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں میں دو قسم کے فرق ہیں ایک بیّن یعنی ظاہر اور واضح اور سہل جو بعد میں بیان ہوگا اور ایک غامض یعنی دقیق اور باریک اور مشکل جس کو پہلے بیان کرتا ہوں سو جن کو حق تعالیٰ نے علم صحیح اور نظر و تحقیق اور فہم سلیم دیا ہے وہ طریق غامض تو ان کیلئے خاص ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ دیکھتے ہیں کہ وہ بات دل کو لگی یا نہیں اُن کے دل میں ایک صحیح حِس پیدا ہو جاتا ہے کہ حق و باطل کو اس طرح پہچان لیتے ہیں جیسے زبان کڑوے اور میٹھے کو پہچان لیتی ہے۔ باطل کو ان کا دل قبول ہی نہیں کرتا۔ دس باتیں حق اور ایک باطل ملا کر ان کے سامنے پیش کرو تو الگ کر کے بتا دینگے کہ اس میں اتنا حق ہے اور اتنا باطل یہ فرق وہ ہے جس کو میں نے غامض کہا ہے یہ ہر شخص کا کام نہیں نہ میں کسی کو اس کی اجازت دیتا ہوں کبھی کسی کی جرأت ہو جائے کہ یہ اچھا طریقہ ہاتھ آیا حق و باطل کے پہچاننے کا کہ جس کو دل قبول کر لے وہی حق ہے۔ اول وہ حِس حاصل کیجئے جس سے یہ امتیاز ہوتا ہے سو اس کا حاصل کرنا کارے دارد ①۔ بڑی محنتوں کے بعد اور بڑی ریاضتوں کے بعد اور کسی کی جوتیاں اٹھانے اور ہٹ جانے کے بعد اور اصل میں فضل خداوندی کے بعد وہ حس حاصل ہوتا ہے وہ صرف پڑھنے لکھنے سے نہیں ہوتا۔ خیر اس کو چھوڑیئے یہ ہم لوگوں کا کام نہیں۔

باطل اور حق کے پہچاننے کا سہل طریقہ

دوسرا وہ فرق ہے جس کو میں نے بیّن کہا ہے اور وہ عام ہے اور وہ، وہ ہے جس کو خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا ہے جس حدیث میں تہتر فرقوں کا بیان ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ ان میں سے ایک ناجی ہے ② اور باقی سب ناری، اس پر صحابہ نے عرض کیا من ھم یا رسول اللہ؟ یہ کونسا فرقہ ہے جو ناجی ہے؟ یہ وہی سوال ہے جس پر گفتگو ہو رہی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کون اچھا اور سہل جواب دے سکتا ہے فرمایا

① بہت مشکل ہے ② ایک جنتی باقی دوزخی۔

ما انا علیہ واصحابی یعنی ان کی پہچان یہ ہے کہ وہ اس مسلک پر ہونگے جو میرا اور میرے صحابہ کا ہے یعنی میرا اور میرے صحابہ کا اتباع کرینگے یہ ایک ایسی پہچان ہے کہ اس سے بہت ہی سہولت سے اہل حق اور اہل باطل میں فرق کیا جاسکتا ہے اب یہ دیکھ لیا جاوے کہ کس کے اقوال و افعال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے اقوال وافعال سے ملتے ہیں۔ کھینچ تان کر کسی بات کا ثبوت حاصل کر لینا اور بات ہے اس کو ملنا نہیں کہتے یوں تو کوئی جملہ دنیا میں ایسا نہیں جس سے اصلی معنی کے سوا الٹ پلٹ کر کے کوئی دوسرے معنی نہ نکالے جاسکیں مثلاً کوئی رات کو دن ثابت کرنے کے لئے کہہ سکتا ہے کہ دن اس کو کہتے ہیں جس میں سورج نکلا ہوا ہو اور سورج منجملہ ستاروں کے ایک ستارہ ہے اور اس وقت رات کو بھی ستارے نکلے ہوئے ہیں جو بہت اوصاف میں سورج کے مشابہ ہیں پس اُن کا نکلنا سورج ہی کا نکلنا ہے لہٰذا اس وقت دن ہوا دیکھئے ثابت ہو گیا کہ رات کے وقت دن ہے لیکن یہ وہی ثبوت ہے جو کھینچ تان سے حاصل ہوا ہے اس کو کوئی عقلمند ثبوت نہیں کہہ سکتا اس کو تاویل بلکہ تحریف کہتے ہیں اور یہ وہ چیز ہے جس کو توجیہ القول بما لا یرضیٰ ① بہ قائلہ کہتے ہیں سو اس طرح تو ہر کلام سے دوسرے معنی نکالے جاسکتے ہیں ثبوت حقیقی وہ جو بے تکلف ہو اور اس میں کھینچ تان کی اصلا ضرورت نہ ہو۔ اہل باطل کی توجیہات اسی قسم کی ہوتی ہیں کہ ایک جگہ وہ نصوص کو کھینچ تان کر اپنے مطالب کے موافق کر لیتے ہیں لیکن دوسری نصوص اُس کے خلاف ہوتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ خود متکلم کی مراد ان نصوص سے وہ نہ تھی جو انھوں نے سمجھی۔ اسی کو کھینچ تان کہتے ہیں اس طرح سے مطابق کر لینے کو مطابقت نہیں کہتے مطابقت واقعیہ اس کو کہتے ہیں جس میں کھینچ تان کی ضرورت نہ ہو سیدھے سیدھے معنوں کو دیکھا جاوے تو اس کو مطابقت ہو نصوص سے سلف صالحین کا یہی طریقہ تھا کہ اقوال و افعال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور اقوال و افعال صحابہ کے سامنے سر جھکا دیا چاہے وہ اپنی رائے کے موافق ہوں یا مخالف یہی تعمیل ہے حدیث مذکورہ بالا ما انا علیہ و اصحابی کی اور اس پر سب سے زیادہ عمل کیا ہے ابوحنیفہؒ نے کیونکہ ان کا قول ہے کہ حدیث موقوف بھی حجت ہے اور مقدم ہے قیاس پر۔

---

① کسی بات کی ایسی توجیہ کرنا جس سے کہنے والا بھی راضی نہ ہو۔

حدیث موقوف

حدیث موقوف اس کو کہتے ہیں جس میں صحابی اپنی طرف سے ایک حکم بیان کرے جو مدرک بالرائے ہو سکے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت نہ کرے اس کو کہا جائیگا کہ یہ صحابی کی رائے ہے۔ سو امام صاحب اس کے سامنے بھی قیاس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور بعض فقہائے مجتہدین کہتے ہیں هم رجال ونحن رجال یعنی جب قرآن وحدیث میں اس حکم کے بارہ میں کوئی تصریح نہیں ہے تو صحابی کا قیاس ہے تو جیسے وہ قیاس کر سکتے ہیں ایسے ہم بھی قیاس کر سکتے ہیں لہٰذا اگر وہ قول ہمارے قیاس کے مطابق ہو تو خیر ورنہ ہم کو اپنے قیاس پر عمل کرنا چاہئے ان کا قیاس ہمارے اوپر حجت نہیں ہے جیسے کہ عام قاعدہ ہے کہ ایک مجتہد کا قیاس دوسرے پر حجت نہیں ہوتا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو سب کیلئے حجت ہے ہی جیسا کہ مسلم ہے لیکن جس امر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد منقول نہ ہو اور اس میں ضرورت ہو اجتہاد کی تو اس اجتہاد میں صحابی اور ہم برابر ہیں وہ بھی مجتہد ہیں اور ہم بھی اور ایک مجتہد پر دوسرے مجتہد کی تقلید ضروری نہیں مگر امام صاحب کا مسلک یہ ہے کہ صحابی کی بھی تقلید مجتہد پر واجب ہے یعنی اس کا اتباع بلا دلیل (تقلید کی حقیقت ہی ہے)

تقلید صحابی کی واجب ہے

بلفظ دیگر صحابی کا قول بھی دلیل ہے اور قیاس اس وقت کیا جاتا ہے جب کوئی دلیل نہ ہو اور قول صحابی دلیل ہے تو اس صورت میں امام صاحب اپنے قیاس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور امام صاحب کے اس مسلک کا ماخذ ما انا علیه واصحابی کے ظاہری الفاظ ہو سکتے ہیں یعنی وہ میرے اور میرے صحابہ کے مسلک کے متبع ہیں تو صحابی کا اتباع بھی ضروری ہوا اتباع مرادف ہے ترجمہ تقلید ① کا تو ثابت ہو کہ تقلید صحابی کی بھی واجب ہے۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کے رہنے والے تھے۔ مزاج داں تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارات کو سمجھتے تھے حضور کے مقالات کو سنتے تھے اور ان پر عمل کے مواقع کو جانتے تھے وہ زیادہ سمجھ سکتے ہیں کہ کس موقع پر وہ مقالہ وجوب کیلئے تھا اور کس موقع پر اباحت ② کیلئے ان کے ذہن میں مقالات بھی ہیں اور مقامات

---

① اتباع ہم معنی ہے تقلید کا ② کہاں وجوب ثابت ہوگا

بھی اور ہمارے پاس صرف مقالات ہیں۔تو ظاہر ہے کہ ان ہی کی رائے اغراض شارع ① کے زیادہ مطابق ہوسکتی ہے تو اس صورت میں حدیث موقوف جس کی نسبت صرف صحابی کی طرف ہے وہ اقرب ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے بہ نسبت ہماری رائے اور قیاس کے دیکھئے کس قدر احتیاط کی ہے امام ابوحنیفہؒ نے اور کس درجہ اتباع کیا ہے وحی کا۔یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں آثار ② بہت ہیں کیونکہ ان کو قیاس سے پہلے آثار کی تلاش کرنا پڑی ہے وہ قیاس اُس وقت کرتے ہیں جب کوئی حدیث موقوف یعنی اثر بھی نہ ملے۔اور دیگر آئمہ اس کی چنداں ③ ضرورت نہیں سمجھتے وہ حدیث موقوف پر قیاس کو راجح رکھتے ہیں۔

مزاج شناسی

اور امام صاحب کے مذاق کی تائید ایک امر فطری سے بھی ہوتی ہے۔وہ یہ کہ طبعی بات ہے کہ مزاج شناسی اور مذاق شناسی کو بھی روایت کی تصحیح میں خاص دخل ہوتا ہے دیکھئے ہم کسی بزرگ کے پاس رہے ہوں اور ان کے مذاق سے آشنا ہوں ④ پھر کوئی راوی ایک ایسی حالت بیان کرے جو ان کے مذاق اور وضع کے خلاف ہو تو ہم فوراً کہہ دیں گے کہ غلط ہے مثلاً ہم کو معلوم ہے کہ وہ بزرگ پیشین گوئی نہیں کیا کرتے تھے اس سے قطعاً ان کو احتراز ⑤ تھا مگر کوئی ثقہ راوی نقل کرتا ہے۔کہ انھوں نے یہ پیشین گوئی کی اور وہ سچ ہوئی تو گو اس سے ان کا کمال ثابت ہوتا ہے، اور ہم بھی کمالات کے معتقد ہیں مگر ہم بے ساختہ کہہ دیں گے غلط ہے انھوں نے کبھی پیشین گوئی نہیں کی ہم کو ان کا مذاق اور طرز عمل معلوم ہے وہ اس سے بہت بچتے تھے اور اگر کوئی پیشین گوئی کی نسبت کسی ایسے بزرگ کی طرف کرے جن کا طرز عمل اور مذاق ہم کو معلوم ہے کہ وہ صاحب صاحب کشف تھے اور پیشین گوئی کیا کرتے تھے جیسے شیخ ابن عربیؒ تو ہم تصدیق کریں گے کیونکہ اس صورت میں کوئی وجہ نہیں ہے اُس کے جھٹلانے کی پہلی صورت میں زیادہ سے زیادہ یہ کریں گے کہ اگر راوی ثقہ ہے تو اس کے قول کی کوئی تاویل کریں گے کہ سمجھنے میں غلطی ہوئی یا دوسرے سے روایت کی ہوگی اور اس نے روایت میں احتیاط نہیں کی لیکن ان کا طرز عمل

① شارع کی منشاء کے زیادہ قریب ② اقوال صحابہ ③ بالکل ضرورت محسوس نہیں کرتے ④ مذاق سے واقف ہوں ⑤ بچتے تھے۔

اور مذاق معلوم ہونے کے سبب اس کی تصدیق نہیں کریں گے کہ انھوں نے پیشین گوئی کی۔ غرض صحابہؓ مزاج شناس تھے اور صحبت پائی تھی جیسا وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کو سمجھ سکتے ہیں بعد کے لوگ نہیں سمجھ سکتے اس واسطے بعد کے لوگوں کو ضرورت ہے ان کے اتباع کی۔

معیار حق و باطل

اور ان کی رائے دین کے بارے میں بعد کے لوگوں کی رائے پر ضرور مقدم ہونا چاہئے خیر یہ تو ایک فرعی اختلاف ہے، اہل حق میں لیکن یہ امر تمام اہل حق میں مشترک ہے ان کا اصلی مقصود وحی کا اتباع ہے اس سے سمجھ میں آ گئی ہوگی پہچان فرقہ حقہ کی اور معلوم ہو گئے ہوں گے معنی حدیث ما انا علیہ واصحابی کے الحمد للہ۔

الحمد للہ کہ کوئی فرقہ بجز اہل سنت کے اپنے لئے اس طرز کو ثابت نہیں کر سکتا اور یہی معیار ہے حق و باطل کا موجب حدیث مذکور کے تو اہل سنت ہی کو فرقہ حقہ ہونے کا فخر حاصل ہوا جس کی وجہ یہی ہے کہ یہ لوگ رائے کو دخل نہیں دیتے ہر امر میں کوشش کرتے ہیں وحی کے اتباع کی بڑی چیز وحی ہی ہے مسلمان کیلئے اسلام نام ہی ہے گردن رکھنے کا حق تعالیٰ کے سامنے اور حق تعالیٰ کے احکام جس ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں اسی کا نام وحی ہے تو اسلام نام ہوا وحی کے سامنے گردن رکھ دینے اور اُس کے اتباع کا۔ دین کا یہی خلاصہ ہے۔ اور جب اپنی رائے آ گئی تو وحی کا اتباع کہاں رہا یہ تو رائے اور ھویٰ اور اتباع ہوا اور اتباع رائے اور ھویٰ کی بڑی مذمت آئی ہے تمام قرآن و حدیث اس مضمون سے بھرے ہوئے ہیں۔ یہاں سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ جب رائے کی اس قدر مذمت ہے تو فقہ کے تو صدہا مسائل ایسے ہیں جن میں رائے کو دخل ہے جس کو قیاس کہتے ہیں زیادہ تر مسائل قیاس ہی سے ثابت ہیں تو فقہ بھی قابل درست ہوا۔

فقہی قیاس اور رائے میں فرق

بات یہ ہے کہ جس رائے کو دخل دینے سے منع کیا جاتا ہے اور جس کی مذمت ہے وہ وہ ہے کہ وحی سے قطع نظر کر کے اس کو متبوع قرار دے دیا جاوے اور اس کو دین میں کافی سمجھا جاوے اور فقہا کا قیاس اس طرح کا نہیں ہے فقہ میں قیاس کے معنی یہ ہیں کہ ایک حکم کو

منصوص سے غیر منصوص کی طرف باشتراک علت متعدی ① کرنا سو یہ حکم رائے کا نہیں ہے بلکہ نص کا حکم ہے۔ ہاں اس میں علت کا تلاش کرنا جس کی وجہ سے وہ حکم منصوص ہے غیر منصوص کی طرف متعدی کیا گیا یہ اجتہاد سے ہوا۔ یہ حقیقت ہے قیاس کی اس میں اور اس رائے میں جس کی مذمت کی جاتی ہے کئی طرح سے فرق ہے ایک یہ کہ اس سے اس وقت کام لیا جاتا ہے جب کسی چیز میں حکم منصوص موجود نہ ہو اور اگر کوئی نص خبر احاد کے درجہ میں بھی موجود ہو تو اس سے کام نہیں لیا جاتا نص ہی پر عمل کیا جاتا ہے اور اہل رائے کی یہ حالت ہے کہ نص صریح اور قطعی ② میں بھی تاویل کر لیتے ہیں مگر رائے کو چھوڑنا نہیں چاہتے تو اتباع رائے کا یہ ہوا نہ کہ وہ۔

قیاس کا درجہ

دوسرے یہ کہ فقہاء قیاس کو صرف مظہر کہتے ہیں مثبت ③ نہیں کہتے یعنی فقہاء کہتے ہیں کہ قیاس اس حکم کو ظاہر کرتا ہے جو چھپا ہوا تھا۔ اصل حکم نص کا ہے جو مقیس علیہ ④ کے بارے میں ظاہر تھا کیونکہ نص اُس کے بارے میں نازل ہی ہوئی ہے۔ اور مقیس ⑤ کے بارے میں ظاہر نہ تھا مگر درحقیقت ثابت تھا کیونکہ اس میں بھی علت حکم کی موجود تھی اس کو ان کے قیاس نے ظاہر کر دیا تو حکم دراصل نص کا ہے قیاس نے کوئی نیا حکم ایجاد نہیں کیا اور اس کا مقتضا یہ تھا۔ اس حکم کی وقعت اور اس کا درجہ مقیس کے بارے میں بھی وہی ہونا چاہئے جو مقیس علیہ کے بارے میں ہے لیکن فقہاء کی احتیاط کو دیکھئے کہ باوجود اس کے بھی قیاس کو ظنی کہتے ہیں کیا معنی کہ اس کا وہ درجہ نہیں جو مقیس علیہ ⑥ کے حکم کا ہے حتی کہ اس کی تقلید بھی دوسرے مجتہد کو ضروری نہیں کہتے اور آپ دیکھتے ہیں کہ اہل رائے کی کیا حالت ہے کہ اپنے طبع زاد اور خود تراشیدہ حکم کو ایسا یقینی سمجھتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں نص

---

① کسی ایسی بات کا حکم معلوم کرنا جو قرآن و حدیث میں مذکور نہیں ہے لیکن قرآن میں کوئی دوسرا حکم ہے جس کی علت اور اس کام کی علت مشترک ہے تو وہی حکم یہاں ثابت کیا جائے اشتراک علت کی وجہ سے اسی لیے کہا گیا ہے القیاس مظہر لا مثبت کہ قیاس حکم کو ظاہر کرتا ہے ثابت نہیں کرتا ثابت اس علت کی وجہ سے ہوتا ہے جو منصوص ہے ② قرآن وحدیث میں بھی تاویل کر لیتے ہیں ③ فقہاء کہتے ہیں کہ قیاس سے صورت مسئلہ ظاہر ہو جاتی ہے قیاس سے مسئلہ ثابت نہیں ہوتا ثابت تو نص ہی سے ہوتا ہے ④ جس پر قیاس کیا گیا ⑤ جس کو قیاس کیا گیا ⑥ جس پر اسی مسئلہ کو قیاس کیا گیا ہے جو اس کا درجہ ہے اس کا وہ نہیں۔

بھی کوئی چیز نہیں اور علماء سلف تک کو کہتے ہیں کہ انہوں نے معنی نص کے نہیں سمجھے اس مضمون کی تحریریں موجود ہیں۔ پھر کتنا فرق ہوا دونوں رایوں میں دیکھ لیجئے کہ یہ بات کس پر صادق آتی ہے کہ اس کو متبوع اور کافی سمجھا گیا اور وحی سے قطع نظر کی گئی آیا آجکل کی اہل رائے پر صادق ہے یا فقہاء کی رائے پر جس کو قیاس کہتے ہیں دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے ایک حق ہے ایک باطل۔ بلکہ رائے بالمعنی الحقیقی کا لفظ بھی قیاس پر اطلاق کرنا صحیح نہیں تو قیاس کے اتباع کو اتباع رائے نہیں کہہ سکتے بلکہ قیاس منجملہ ادلہ شرعیہ کے ایک دلیل ہے تو اس کا اتباع وحی ہی کا اتباع ہوا۔ یہ اس کا جواب ہو گیا کہ فقہ کا اتباع بھی رائے کا اتباع ہے جو مذموم ہے حاصل جواب کا یہ ہے کہ فقہ کا اتباع رائے کا اتباع نہیں وحی کا اتباع ہے۔

فقہ پر اعتراض

بعض لوگ جو فقہ کے خلاف ہیں کہتے ہیں ایسے فن کا کیا اعتبار جس میں ہر قسم کی روائتیں موجود ہیں اور جس کے متبعین کی یہ حالت ہے کہ نہ قرآن سے بحث نہ حدیث سے بس کسی امام سے روایت مل جانا چاہیئے اور جب تک روایت نہ ملے اس وقت تک قرآن و حدیث سے ان کی تشفی نہیں ہوتی اس کا جواب یہ ہے کہ وہ کونسا فن ہے جس میں رطب و یابس نہیں ہیں نحو میں نہیں ہیں یا معقول اور فلسفہ میں نہیں یا طب میں نہیں ڈاکٹری میں نہیں؟ محض اس خلط کی وجہ سے کس کس فن کو چھوڑ دو گے ہر فن میں مدار قول راجح اور مذہب جمہور اور روایت مفتی بہا ہوا[1] کرتا ہے۔

تقلید آئمہ کی حقیقت

اور امام کی روایت پر جو اعتماد کیا جاتا ہے اور بلا اس کے تشفی نہیں ہوتی اس کی حقیقت یہ نہیں ہے کہ امام کے قول کو حدیث و قرآن سے زیادہ سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ حقیقت ہے کہ ہم کو اتنا علم نہیں جتنا ان فقہاء کو تھا جنھوں نے فقہ کو مرتب کیا نصوص سے جس فہم اور احتیاط کے ساتھ وہ مسائل کا استخراج کر سکتے تھے ہم نہیں کر سکتے۔ اس واسطے مسائل دریافت کرنے کے وقت امام کی روایت پوچھی جاتی ہے کہ انھوں نے اس کے متعلق کیا تحقیق کی ہے اگر ان کی تحقیق ہماری تحقیق کے خلاف ہو تو اسی کو ترجیح دی جاتی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک طالب علم سے ایک مسئلہ پوچھا جاوے اور وہ اس کا

① جس قول پر فتویٰ دیا گیا ہو۔

جواب دے اور اسی کو ایک پرانے استاد اور مدرس سے پوچھا جاوے اور وہ جواب دے اور ان کی تحقیق اس طالب علم کے خلاف ہو تو کس کو ترجیح ہوگی؟ ظاہر ہے کہ استاد کے فتوے کو ترجیح ہوگی تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ جو معنی قرآن وحدیث کے تھے (جیسا کہ اس طالب علم نے سمجھا تھا) قرآن وحدیث کو چھوڑ کر استاد کا اتباع کیا گیا اور قرآن وحدیث سے استاد کو زیادہ سمجھا گیا اور قرآن وحدیث کو چھوڑ کر ان کا فتویٰ تلاش کیا جاتا ہے۔ نہیں بلکہ حقیقت اس کی یہ ہے کہ قرآن وحدیث ہی کے فتوے کی تلاش ہے اور اُسی کے حکم کا اتباع کیا جاتا ہے مگر اس کا حکم طالب علم کے پاس بھی نہیں ملتا ہے اس واسطے استاد کے پاس حکم کو تلاش کیا جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے تقلید ائمہ کی۔

آئمہ اربعہ کی تقلید کی وجہ

رہا یہ کہ آئمہ معروفین ① ہی پر اس کو کیوں ختم کر دیا گیا کیا اب قرآن وحدیث کے جاننے والے نہیں رہے جو استخراج مسائل کر سکیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قدرتی غیر اختیاری بات ہے کہ ان پر ملکۂ استخراج ② ختم ہوگیا جیسا کہ فن روایت حدیث محدثین معروفین پر ختم ہوگیا ورنہ اس پر بھی وہ سوال ہوسکتا ہے کہ ان پر روایت حدیث کو کیوں ختم کر دیا گیا؟ وہ بھی آدمی تھے ہم بھی آدمی ہیں اب روایت حدیث کی کوئی کر کے دکھا دے۔

ائمہ مجتہدین پر اجتہاد ختم ہونے کی دلیل

رہا اس دعویٰ کا ثبوت کہ ان پر اجتہاد ختم ہوگیا یہ ہے کہ ائمہ کے فقہ کو عارضی طور پر الگ رکھ دیجئے اور قرآن وحدیث سے خود استنباط ③ مسائل شروع کیجئے اور ایک معتدبہ مقدار مسائل کی جمع کر لیجئے پھر اس کو فقہ منقول سے ملا کر دیکھئے اپنی غلطیاں آپ کو خود معلوم ہوجاویں گی اور آپ بے ساختہ بول اٹھیں گے کہ استنباط صحیح وہی ہے جو فقہ میں ہے علاوہ اس کے آجکل عافیت بھی اسی میں ہے کہ قرآن وحدیث سے استنباط کی اجازت نہ دی جاوے ورنہ ہویٰ ④ اور رائے کا وہ غلبہ ہے کہ معاذ اللہ زمین کو آسمان اور آسمان کو زمین کہہ دینا کوئی بات ہی نہیں دیکھ لیجئے اس وقت کتنے فرقے موجود ہیں ہر شخص کو اجتہاد کا شوق ہے اور یہ نوبت ہے کہ زوائد اور متممات ⑤ دین کا تو کیا ذکر ہے ارکان ⑥ دین میں تراش

---

① امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ ② مسائل مستنبط کرنے کی صلاحیت ③ مسائل نکالنا شروع کر دیں ④ خواہشات نفسانی اور خودرائی ⑤ نوافل اور تکمیل دین کرنے والی باتیں ⑥ فرائض میں

خراش کر ڈالی ہے کوئی رائے دیتا ہے کہ نماز کی قید اٹھا دیجئے تو مسلمانوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہو جاوے اس قید کو دیکھ کر بہت سے لوگ اسلام میں آنے سے گھبراتے ہیں کوئی کہتا ہے قرآن میں تین ہی روزے آئے ہیں تیس روزے علماء کی گڑہت ہے کوئی کہتا ہے زکوٰۃ سے غرض قومی امداد ہے قومی کاموں میں چندہ دینا کافی ہے۔ کوئی کہتا ہے حج کرنا فضول ہے، ریگستانوں میں روپیہ پھینک آنے سے کیا فائدہ کسی قومی کام میں لگایا جاوے تو ترقی ہو۔ غرض کوئی جز دین کا ترمیم سے نہیں چھوڑا اور جس سے پوچھو قال اللہ وقال الرسول① ہی سے ثابت کرتا ہے۔ یہ گت ہے آجکل استنباط کی۔ سچ بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ جزاء خیر دیں فقہاء کو کہ انھوں نے دین کو بالکل محفوظ کر دیا ورنہ خدا جانے کیا ہوتا۔ پس آجکل عافیت اور دین کی سلامتی اسی میں ہے کہ قرآن وحدیث سے استنباط کی اجازت مطلقاً نہ دی جاوے۔

فقہ پر اعتبار نہ کرنے کا انجام

فقہ پر اعتبار نہ کرنے کا انجام چند روز میں یہ ہوگا کہ قرآن وحدیث بھی حجت نہ رہے گا کیونکہ جب آزادی کی ٹھہری اور ہر شخص ایک رائے رکھتا ہے اور ایک رائے کو دوسری پر کوئی ترجیح نہیں بلکہ جو جس کا خیال ہو وہی دین ہے تو اگر کسی کی رائے یہی ہو کہ قرآن وحدیث کی بھی ضرورت نہیں تو پھر یہی دین ہوگا۔

ایک تعلیم یافتہ کی غلطی

حضرت یہ حالت ہے خود رائی اور جہالت کی کہ میں کنڈہ ضلع پڑتاب گڑھ گیا ہوا تھا وہاں ایک معمر آدمی ملے جو نا تجربہ کار اور ناواقف نہ تھے بلکہ جہاندیدہ اور تجربہ کار اور گرم وسرد دیکھے ہوئے تھے کتب بینی کا بھی ان کو شوق تھا علما سے محبت بھی رکھتے تھے صحبت یافتہ تھے دیندار تہجد گزار پابند صوم وصلوٰۃ محتاط تھے رشوت سے بھی بچتے تھے۔ غرض بالکل جاہل نہ تھے۔ دینی واقفیت رکھتے تھے اور دین کا اہتمام بھی تھا وہ ایک مترجم قرآن میرے پاس لائے اور کہنے لگے کچھ پوچھنا ہے اور یہ آیت نکالی يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَقُولُوا۟ رَٰعِنَا وَقُولُوا۟ ٱنظُرْنَا ②۔ اس میں حق تعالیٰ نے یہود کی ایک شرارت کا ذکر فرمایا ہے اور اس سے بچنے کا مسلمانوں کو حکم دیا ہے وہ

① قرآن وحدیث سے ہی ثابت کرتا ہے ② البقرۃ: ۱۰۴

شرارت ہی تھی کہ راعنا ایک لفظ ہے جو عربی اور عبرانی دونوں زبانوں میں آتا ہے لیکن عربی میں معنی ہیں ہمارا خیال کیجئے رعایت سے مشتق ہے اور عبرانی میں معنی احمق کے۔ تو یہود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مجلس میں خطاب کرتے اور راعنا کہتے مسلمان سمجھتے کہ اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں اور ہدایت کے طالب ہیں اور وہ مراد لیتے تھے وہ معنی جو عبرانی زبان میں ہے اور دل میں خوش ہوتے کہ ہم حضور کو خوب بناتے ہیں (نعوذ باللہ) اے کم بختو کو تو نہ بنانے کی ضرورت ہے نہ تمہارے بنانے سے حضور بنیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حق تعالیٰ ہیں جو عالم الغیب ہیں چنانچہ دیکھو اس مکر کی اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کر دی گئی۔ ہاں تم نے اپنے آپ کو بگاڑ لیا کہ ہدایت سے محروم رہے۔ غرض یہ لوگ وہ شرارت کیا کرتے تھے کہ رَاعِنَا کا لفظ بول کر وہ دوسرے معنی مراد لیا کرتے تھے بعضے مسلمان بھی رعایت کے معنی سمجھ کر اس سے خطاب کرنے لگے۔ حق تعالیٰ نے اس ہم لفظ کے بولنے سے مسلمانوں کو منع فرمایا اور بجائے اس کے اَنْظُرْنَا کا لفظ تعلیم فرمایا جس میں یہ ایہام نہیں ہے۔ یہ مطلب ہے اس آیت کا غرض وہ بزرگ مترجم قرآن شریف لائے اس میں اس آیت کے ترجمہ میں لکھا تھا اے مسلمانوں مت کہو رَاعِنَا کہنے لگے مجھے کیا کرنا چاہئے لفظ رَاعِنَا اس آیت میں نہ پڑھا کروں کیونکہ حق تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

قرآن کا ترجمہ دیکھنا بعضوں کو حرام ہے

میں نے کہا حضرت آپ کو ترجمہ قرآن کا دیکھنا حرام ہے جب آپ کے فہم کی یہ حالت ہے تو خدا جانے آپ کیا کیا غلطی کریں گے دیکھ لیجئے یہ حالت ان کی ہے جو تجربہ کار دیندار اور کتاب دیکھنے والے ہیں اور ان کا تو کیا پوچھنا ہے محض جاہل ہیں۔ کیسے کہہ دیا جاوے کہ آزادی میں کوئی مضرت ① نہیں۔ آج کل اس فتوے سے لوگوں کو بڑی وحشت ہوتی ہے کہ قرآن کا ترجمہ دیکھنے کو حرام کہا جاتا ہے۔ قرآن ہی تو مسلمانوں کی کتاب ہے اسی کے دیکھنے سے منع کیا جاتا ہے پھر اسلام کیسے درست ہو؟ میں کہتا ہوں قرآن بیشک مسلمانوں کی کتاب ہے اور اسلام کے درست کرنے کے لئے ہی نازل ہوئی ہے لیکن اس سے اسلام درست کرنے کا طریقہ ترجمہ کا دیکھنا نہیں ہے۔ دیکھ لیجئے کیا نتائج ہیں ترجمہ دیکھنے

① نقصان

کے البتہ قرآن سے اسلام کے درست کرنے کا طریقہ کسی ماہر سے اس کا پڑھنا اور سمجھنا پھر عمل کرنا ہے۔ اس طریق سے قرآن سے کام لیجئے بیشک اسلام درست ہوگا۔

کوئی کتاب بلا استاد کے نہیں آتی

اتنا تو خیال کر لینا چاہئے کہ کسی فن کی معمولی سی کتاب بھی بلا استاد سے پڑھے سمجھ میں نہیں آسکتی اور اس پر عمل نہیں ہوسکتا مثلاً کھانا پکانا کہ کوئی مشکل کام نہیں ہے جاہل عورتیں اور دُھنی اور جُلاہی ① سبھی پکاتی ہیں مگر آپ مہربانی کر کے اردو کی کتاب الوان نعمت سامنے رکھ کر جس میں کھانا پکانے کی ترکیبیں مفصل لکھی ہیں اور ہر چیز کے وزن تک لکھے ہیں ذرا کوئی معمولی سا کھانا پکا تو لیجئے وجہ یہی ہے کہ جائے استاد خالیست ② جاننے والے سے سیکھنے کی ضرورت باقی ہے جب اتنے سے کام میں بھی کتاب کا دیکھنا کافی نہیں اور استاد کی ضرورت ہے تو قرآن شریف کے سمجھنے کیلئے استاد کی ضرورت کیسے نہیں ہے اور صرف ترجمہ بطور خود دیکھ لینا کیسے کافی ہوسکتا ہے ذرا تو غور کرنا چاہئے۔ اگر اس سے کوئی منع کرتا ہے تو وحشت کیوں ہوتی ہے کیا وہ قرآن کے دیکھنے سے منع کرتا ہے۔ نہیں وہ قرآن کے دیکھنے سے منع نہیں کرتا بلکہ بے قاعدہ دیکھنے سے منع کرتا ہے۔ با قاعدہ دیکھئے کوئی منع نہ کریگا۔ اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ کسی استاد سے سبقاً سبقاً پڑھے تاکہ جو بات سمجھ میں نہ آوے وہ بتلا دے۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ قرآن کو اسقدر سہل سمجھ لیا گیا ہے کہ کسی سے اُسکے پڑھنے ہی کی ضرورت نہیں۔

خود سے ترجمہ قرآن پڑھنے کا نقصان

قرآن شریف تو خدا کی کتاب ہے جبکہ بندوں کی لکھی ہوئی کتاب کیلئے بھی استاد سے پڑھنے کی ضرورت ہوتی ہے تو تعجب ہے کہ خدا کی کتاب کیلئے پڑھنے کی ضرورت نہ ہو۔ بڑا افسوس ہے کہ قرآن شریف ہی پر مشق کرنیکی سب کو ہمت ہوتی ہے۔ تعزیرات ہند③ پر کسی کی جرات نہیں ہوتی۔ کوئی مقدمہ تو بلا وکیل کے تعزیرات ہند کو دیکھ کر لڑا ہوتا۔ اگر کوئی اردو خواں آدمی تعزیرات ہند کے ترجمہ کو اس خیال سے دیکھ رہا ہو کہ میں اپنا ایک سنگین مقدمہ خود ہی لڑلونگا۔ اس حال میں اسے کوئی پرانا تجربہ کار

① روئی بیچنے والی اور کھڈی پر کپڑا بننے والی ② استاد کی جگہ خالی ہے ③ ہندوستان کی قانونی کتاب۔

وکیل دیکھے لے تو وہ یہ کہے گا یا نہیں کہ کیوں دماغ خراب ہو رہا ہے مقدمہ کا کیوں ستیاناس کر رہے ہو جیل خانہ چلے جاؤ گے اپنی خیر چاہتے ہو تو کسی قانون پیشہ پاس شدہ اور تجربہ کار وکیل کے سپرد کردو ورنہ پچھتاؤ گے۔ کیوں صاحبو یہ کہنا اُس کا بیجا ہو گا یا بجا①۔ اس کو تو سب سننے والے یہی کہیں گے کہ وکیل نے بڑی ہمدردی کی اور بڑی قیمتی رائے دی اُس کا بہت ممنون ہونا چاہئے اور اس رائے پر ضرور عمل کرنا چاہئے۔ دیکھئے وکیل تعزیرات کے دیکھنے سے ایک شخص کو منع کرتا ہے اور اس کی تحسین کی جاتی ہے تو اگر کوئی ملّانا قرآن کے ترجمہ دیکھنے سے کسی کو منع کرتا ہے تو وحشت کیوں ہوتی ہے؟۔ وجہ یہ ہے کہ وہاں مقدمہ خراب ہونے سے جو بلائیں نازل ہوں گی ان کا یقین ہے اور یہاں عقیدہ خراب ہونے اور غلطی کرنے سے جو بلائیں پیش آنے والی ہیں ان کا ایسا یقین نہیں۔ صاحبو مسلمان کی تو یہ حالت نہیں ہونی چاہئے۔ جب مسلمان آخرت اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے تو اس کا آنا ایسا ہی یقینی سمجھنا چاہئے جیسے دنیا کی بلاؤں کا آنا اور دین کے بارے میں کوئی ایسی جرات نہیں کرنا چاہئے جو آخرت میں مصیبت کا باعث ہو۔ غرض یہ مشورہ کوئی وحشت کی بات نہیں کہ بعض صورتوں میں قرآن کا ترجمہ دیکھنے یا اور کسی کتاب کے دیکھنے سے منع کر دیا جاوے۔ اسی واسطے میں نے ان صاحب سے جنھوں نے رَاعِنَا کے متعلق سوال کیا تھا یہی کہا کہ آپ کو قرآن کا ترجمہ دیکھنا حرام ہے جب کسی کو ایسی بلا میں مبتلا دیکھوں تو فرمائیے کیا کروں کیا اس پر سکوت② کروں جس کا مطلب یہ ہو کہ یہ مستحسن ہے اور اس میں کچھ برائی نہیں یہ تو صریح مداہنت ہے، اور دوسرے کے دین کو بگاڑنا ہے کیونکہ ترجمہ دیکھنے سے غرض کتاب الٰہی کے مفہوم کا سمجھنا ہے مگر جب اس میں غلطی ہوئی اور کتاب الٰہی کو الٹا سمجھنا ہوا تو اس سے ہدایت ہوگی یا گمراہی۔ یہ بہت موٹی بات ہے۔ جب اس سے گمراہی ہوتی ہے تو یہ حلال ہوا یا حرام۔ اگر اس کو حرام کہا گیا تو تعجب کی کیا بات ہے۔ ضلالت کا سبب تو حرام ہی ہوگا۔

شبہ کا جواب

اگر کہا جاوے کہ سب آدمی برابر نہیں سب ایسے کم فہم نہیں ہوتے کہ رَاعِنَا کو

① صحیح ہوگا یا غلط ② خاموشی اختیار کروں

قرآن سے خارج کرنے کی تجویز کریں تو یہ کرنا شاذ ہوا① اور شذوذ پر کوئی حکم نہیں ہوا کرتا یوں تو بہت سے آدمی ایسے بھی ہیں کہ علم پڑھ کر غلطی کرتے ہیں تو علم پڑھنے کو بھی منع کرنا چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ترجمہ دیکھ کر غلطی کرنا شاذ نہیں واقعات کو دیکھئے جتنے آدمی صرف اردو کی یا انگریزی یا اور کسی زبان کی لیاقت رکھنے والے ہوں اور قرآن کا ترجمہ بطور خود دیکھنے کے شوقین ہوں ان کا امتحان لیجئے قریب قریب کُل کے کُل سخت غلطیوں میں مبتلا نکلیں گے۔ جس کا جی چاہے امتحان کرلے لہٰذا شذوذ نہ رہا بلکہ شذوذ دوسری جانب میں ہوگیا کہ ایسے سمجھدار شاذ ونادر نکلیں گے جو غلطی نہ کرتے ہوں اور ان کو اجازت دی جاسکے اور آپ ہی کا فیصلہ یہ ہے کہ شذوذ پر حکم نہیں ہوتا تو یہ حکم نہیں ہونا چاہئے کہ ترجمہ دیکھنے کی اجازت ہو تو اب اس فتوے سے چونکنا نہ چاہئے کہ قرآن کا ترجمہ دیکھنا حرام ہے اور ایسے فتوی بہت ہیں جن سے لوگ چونکتے ہیں ایک تو یہی کہ قرآن کا ترجمہ دیکھنا حرام اسی طرح کا ایک دوسرا فتویٰ بھی ہے کہ چاند کے بارے میں تار کی خبر کا اعتبار نہیں۔

جاہلانہ اعتراض

کہتے ہیں مولوی لوگ گھروں میں بیٹھے ہوئے فتوے بگھار کرتے ہیں ان کو اتنی بھی خبر نہیں کہ گورنمنٹ نے تار کے متعلق کیا کیا انتظامات کر رکھے ہیں ممکن نہیں کہ کوئی ایک لفظ کا بھی تغیر کرسکے تو تار کی خبر ایسی ہوئی جیسے خود خبر دینے والے کا بیان پھر اس کے نہ قبول کرنے کی بجز اس کے کیا وجہ کہ مولویوں کی نئی چیزوں سے وحشت ہے ان کے دماغ خشک ہیں کسی قسم کی ترقی کرنا نہیں چاہتے ان چیزوں کے نام سے گھبراتے ہیں جو اہل ترقی کی طرف منسوب ہیں اس واسطے ایسے فتوے دیتے ہیں۔

رویت ہلال میں تار کی خبر معتبر نہ ہونے کی وجہ

صاحبو میں اس کی حقیقت بیان کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ شہادت کی قبول کیلئے کچھ شرطیں ہیں وہ شرطیں تار کی خبر میں نہیں پائی جاتیں اس واسطے نہیں قبول کیجاتی اور وہ

① ایسی غلطی بہت کم لوگ کرتے ہیں۔

شرطیں ایسی ہیں کہ اس وقت بیان نہیں کی جاسکتیں کیونکہ عوام تو ان کو کیا سمجھیں گے بعض طالب علم بھی نہیں سمجھ سکتے یہ ممکن ہے کہ کہیں تار کی خبر میں بھی وہ شرطیں موجود ہو جاویں اور قبول کی جاسکے لیکن اکثر یہی ہے کہ نہیں پائی جاتیں لہٰذا سداً للباب ① عدم قبول ہی کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ایک جگہ جنٹلمینوں کا مجمع تھا اور اسی مسئلہ کا تذکرہ ہو رہا تھا اور سب تعجب کر رہے تھے کہ یہ کیسا فتویٰ ہے؟ میں اتفاق سے پہنچ گیا مجھ سے پوچھا گیا کہ تار کی خبر رویت ہلال کے بارے میں کیوں نہیں مانی جاتی؟ میں نے دل میں سوچا کہ اس کی دلیل کو یہ کیا سمجھیں گے اور کیا اسے ان کی تسلی ہوگی اس واسطے ان کے مذاق کے موافق جواب دیا کہ کیوں صاحب تار کی خبر کا اعتبار حاکم کے حکم سنانے میں یا عدالت میں شہادت کے وقت بھی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ کیا یہ ممکن ہے کہ حاکم بیٹھے تار کے ذریعہ سے حکم پہنچا دے یا گواہ کسی مقدمہ میں شہادت بذریعہ تار کے ادا کردیں کہنے لگے یہ تو نہیں ہوسکتا میں نے کہا اس کی وجہ کیا ہے؟ خود گورنمنٹ کو اپنے انتظام پر اعتماد نہیں جو تار کی خبر کو گواہ کے یا حاکم کے بیان کے برابر نہیں سمجھتی یا عقلاء زمان کے بھی دماغ مولویوں کی طرح خشک ہوگئے ہیں۔ اب ان کی سمجھ میں آگیا کیونکہ اس فرقہ کے فعل پر جس پر ان کا ایمان ہے مولویوں کے فعل کو منطبق کردیا گیا۔ افسوس یہ حالت ہوگئی ہے دین کی اور فہم کی کہ دین میں وہ اشکال کئے جاتے ہیں جن کا جواب خود اپنے طرزِ عمل میں موجود ہے لیکن اعتراض تک ذہن چلتا ہے اور جواب تک نہیں چلتا اس کی وجہ دین کی وقعت دل میں نہ ہونا ہے جب فہم اور دین کی یہ حالت ہے پھر کس بات پر اعتماد کرکے اجازت دیدی جاوے قرآن کے ترجمہ دیکھنے کی۔

---

① گمراہی کا در بند کرنے کے لیے۔

اخبار الجامعة

ماہ جون/ جولائی 2025

❁ 26 مئی: الحمد للہ جامعہ دار العلوم الاسلامیہ لاہور کے زیر اہتمام درجہ حفظ کی ایک مزید درس گاہ قائم ہوئی جناب ڈاکٹر اعجاز صاحب نے اپنے ہسپتال کی بالائی منزل کے 2 کمرے دیئے جس میں افتتاح کے موقع پر مہتمم جامعہ مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ نے طلباء کو سبق کہلوا کر دعاء خیر فرمائی۔

❁ 2 جولائی: جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ کے مہتمم مولانا محمود میاں رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات پر مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ نے اپنی علالت کی وجہ سے بذریعہ فون اظہار تعزیت اور دعاء مغفرت فرمائی۔

❁ 12 جولائی: جامعہ ھٰذا کے معاون خاص میاں محمد حلیم چمڑا منڈی والے کے بھائی میاں محمد نسیم صاحب کی وفات پر حضرت قاری احمد میاں تھانوی صاحب نے اظہار تعزیت اور دعاء مغفرت فرمائی۔

❁ 18 جولائی: جامعہ ھٰذا کے مدرس مولانا قاری علی جان صاحب کے بڑے بھائی محترم محمد عبد اللہ صاحب مانسہرہ میں وفات پا گئے، حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے قاری علی جان صاحب واہل خانہ سے اظہارِ تعزیت و دعاء مغفرت فرمائی۔

❁ 20 جولائی: حضرت مہتمم صاحب نے جامعہ کے شعبہ تجوید وقراءات کے قدیم بزرگ استاذ حضرت قاری نور محمد قادری صاحب مدظلہ کی عیادت فرمائی اور صحت یابی کی دعاء فرمائی۔

✧✪✧✪✧